قرآن

آپ سے مخاطب ہے

مولانا محمد الحسنی

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

www.abulhasanalinadwi.org

طبع چہارم

۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء

کتاب	:	قرآن-آپ سے مخاطب ہے
مصنف	:	مولانا محمد الحسنیؒ
صفحات	:	۱۰۰
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پرنٹنگ پریس، لکھنؤ

ملنے کے پتے :

ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، تکیہ کلاں، رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ ☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ، لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	عرض ناشر بلال عبدالحی حسنی ندوی	۵
۲	مصنف کتاب، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نگاہ میں	۹
۳	مولانا محمد الحسنیؒ، حیات وخدمات ایک نظر میں	۲۰
۴	عقیدۂ توحید (۱)	۲۲
۵	عقیدۂ توحید (۲)	۲۶
۶	عقیدۂ توحید (۳)	۲۹
۷	عظمت رب	۳۴
۸	عقیدہ رسالت (۱)	۳۷
۹	عقیدہ رسالت (۲)	۴۱
۱۰	آخرت سے غفلت	۴۵
۱۱	متاع قلیل	۴۹
۱۲	قرآن مجید کا ادب	۵۲
۱۳	قرآن مجید کا اعتدال وتوازن اور اس کے نتائج	۵۴
۱۴	حضور اکرمؐ کے اخلاق	۵۷

www.abulhasanalinadwi.org

۱۵	علماء کی پہچان	۶۰
۱۶	اولیاء اللہ کی صفات	۶۲
۱۷	تقویٰ کیا ہے؟	۶۵
۱۸	نفس مطمئنہ	۶۸
۱۹	اطمینان قلب کی دولت (۱)	۷۳
۲۰	اطمینان قلب کی دولت (۲)	۷۶
۲۱	دعوت الی اللہ کے شرائط	۸۱
۲۲	نیک کاموں میں تعاون	۸۴
۲۳	اپنے گھر کی فکر کیجئے	۸۷
۲۴	بقاءِ انفع کا قانون	۸۹
۲۵	بدگمانی	۹۲
۲۶	ظلم کا خمیازہ	۹۵
۲۷	اسلامی سزائیں اور ان کی حکمت	۹۷

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

اس ناکارہ کے لئے بڑے شرف وسعادت کی بات ہے کہ والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی نوبت آرہی ہے، اللہ تعالی نے ان کے قلم میں بڑی طاقت عطا فرمائی تھی یہ وہ موہبت خاصہ ہے جو خاصانِ خدا کو نصیب ہوتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ مدرسی تعلیم حاصل نہیں کی، ان کے والد ماجد مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے ان کے لئے خانہ ساز نصاب مقرر کیا، اسی ترتیب پر انہوں نے تعلیم پائی، اس میں بڑا حصہ خود ڈاکٹر صاحب کا ہے، جن کو اللہ تعالی نے تعلیم وتربیت کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، اپنے برادر خورد سیدی ومولائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تعلیم وتربیت انہوں نے بڑے اہتمام سے کی تھی، جس کا تذکرہ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ اکثر فرمایا کرتے تھے، ان دونوں چچا بھتیجے میں ذہنی وفکری ہم آہنگی کے علاوہ ذوق تحریر، اسلوب بیان

www.abulhasanalinadwi.org

میں اس قدر مماثلت تھی کہ وہ دوسری جگہ شاید ہی مل سکے، شان خط میں بھی فرق کرنا آسان نہیں تھا، ان کی تحریروں اور مضامین پر اکثر لوگوں کو حضرت والا کی تحریر کا گمان ہوتا تھا، خود حضرت اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرماتے ہیں.

''ان کے میرے قلم سے قلم ملا دینے کی بات جب قلم کی زبان پر آ ہی گئی ہے، تو یہ لطیفہ سناتا چلوں کہ ایک مرتبہ (غالباً ۵۵ء کی بات ہے) جب تاریخ دعوت وعزیمت کی پہلی جلد لکھ رہا تھا، اور مرکز دعوت وتبلیغ کچہری روڈ لکھنؤ میں جہاں میرا قیام تھا، امام غزالی کی احیاء العلوم کی ایک طویل عبارت کا ترجمہ کرنے میں مصروف تھا، اس وقت محمد میاں کہیں سے آ نکلے، میں دیر سے ترجمہ میں مصروف تھا، اور مجھے اٹھنے کی ضرورت تھی، میں نے ان سے کہا کہ ''یہاں سے تم ترجمہ کردو، میں ابھی آتا ہوں'' انہوں نے قلم برداشتہ ترجمہ لکھنا شروع کردیا، جب میں فارغ ہوکر آیا، تو وہ خاصہ حصہ لکھ چکے تھے، میں نے اس کے آگے سے لکھنا شروع کردیا، اس حصہ کو مکمل کرنے کے بعد جب میں نے دیکھا تو مجھے قطعاً یہ پتہ نہیں چلا کہ میں نے کہاں سے شروع کیا تھا، اور انہوں نے کہاں سے شروع کرکے ختم کیا، انہوں نے قلم سے قلم اور پیوند سے پیوند ایسا ملا دیا تھا کہ میں نہ ان کے اور اپنے خط میں، نہ زبان واسلوب میں امتیاز کرسکا، اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ پوری تحریر میرے ہی قلم کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی تھی''

خاندان علم اللّٰہی کے اس گوہر شب چراغ نے زندگی کی صرف چوالیس بہاریں دیکھیں، لیکن اپنے زور قلم سے دعوت وفکر اسلامی کے میدان میں وہ کام

www.abulhasanalinadwi.org

کیا جو بعض مرتبہ بڑے اسلامی داعیوں اور اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے مشکل ہوتا ہے، سحر ناصری کے طلسم کو پاش پاش کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، انہوں اپنے پرزور مضامین اور طاقتور اداریوں سے دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو گرم کیا، آنکھوں کو نم کیا، اور میدانِ عمل میں حرکت پیدا کی، عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، کہ دوبارہ یہ مضامین سامنے لائے جائیں، تاکہ ان کا نفع عام ہو اور آئندہ آنے والی نسلیں ان سے فائدہ اٹھا سکیں.

سید احمد شہید اکیڈمی کے ذمہ داروں کے لئے خوشی کا موقع ہے کہ یہ کام ان کے سپرد ہوا، اور اب الحمدللہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''قرآن آپ سے مخاطب ہے'' کے عنوان سے منظر عام پر آرہی ہے، مولانا مرحوم کے یہ وہ مضامین ہیں، جو اسی عنوان سے قسط وار ماہنامہ رضوان (لکھنؤ) میں شائع ہوئے تھے، ماہنامہ کے مدیر برادرِ محترم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ (حال ناظر عام ندوۃ العلماء) نے ان کو قلمبند کروایا، اور فاضل مضمون نگار کے فرزند اکبر اور اس ناچیز کے مربی و برادر اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ (استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) ان پر اشاعت کے لئے نظر ثانی فرمارہے تھے کہ کسی صاحب نے استفادہ کے لئے وہ کاپی مستعار لی اور پھر وہ واپس نہیں مل سکی، اس لئے کام وہیں کا وہیں رہ گیا، اب دوبارہ رضوان کی جتنی فائلیں مل سکیں ان کے اس موضوع سے متعلق مضامین مرتب کر لئے گئے ہیں، مولانا کی وفات پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جو تعزیتی مضمون تحریر فرمایا تھا، اس میں سے بطور

www.abulhasanalinadwi.org

تعارف چند اقتباسات بھی شروع میں نقل کردیئے گئے ہیں، اس کے علاوہ مولانا پر تعمیر حیات کے خصوصی شمارے میں جو تعارفی نوٹ لکھا گیا تھا، اس کو بھی شامل کتاب کردیا گیا ہے، اور یہ مجموعہ ناظرین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام کرے۔

عزیزی مولوی نفیس ندوی سلمہ نے فائلوں سے مضامین جمع کر کے ان کے عکوس فراہم کئے، عزیز مولوی راشد ندوی اور مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی سلمہما نے پروف کی تصحیح اور مقابلہ میں بڑا تعاون کیا، عزیز القدر مولوی انور کمال ندوی نے طباعت کا اہتمام کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سب کو بہترین جزا عطا فرمائے اور اس عمل کو ہم سب کے حق میں خالص ومقبول فرمائے (آمین)

بلال عبدالحی حسنی

سہ شنبہ ۲ رصفر ۱۴۲۳ھ

www.abulhasanalinadwi.org

مصنفِ کتاب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی نگاہ میں

اکتوبر ۱۹۳۵ء کی کسی تاریخ کو بمبئی سے واپسی پر اچانک گھر میں محمد میاں کی ولادت کا مژدہ سننے میں آیا[۱] جو میرے پہونچنے سے دو چار دن پہلے کا واقعہ تھا، پانچ بیٹیوں کے بعد اللہ نے بھائی صاحب کو فرزند اور گھر کا چراغ عطا فرمایا تھا، اس پر گھر کے بچہ بچہ اور خاندان کے ایک ایک فرد کو جو خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، پھر وہ وقت آیا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھنؤ کے قیام کے دوران اپنی خواہش اور تقاضائے قلبی سے ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اچانک ہمارے مکان پر تشریف لے آئے، بھائی صاحب نے مجھ سے کہا کہ ''محمد کو لاؤ'' میں دوڑا ہوا گیا اور ان کو گود میں لے آیا، مولانا نے ان کے

[۱] ان کی ولادت ۱۷ رجب ۱۳۵۴ھ (۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء) کو ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

سر پر دستِ شفقت پھیرا، پھر اگست ۱۹۴۷ء میں جب دوبارہ تشریف آوری ہوئی تو ان کی مکتب نشینی کا وقت آ گیا تھا، مولانا ہی نے ان کی بسم اللہ کرائی، کیا عجب ہے کہ ان کی وہبی تحریری صلاحیت میں یہ برکت بھی شامل رہی ہو۔

ان کا ذہنی و علمی نشو ونما دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ماحول میں ہوا تھا، ان کا رابطہ وہاں کے اساتذہ اور فضلاء سے مسلسل اور مستقل طور پر رہا، آمد و رفت، مجالس کی شرکت اور علمی مذاکرات کے ذریعہ وہ وہاں کے ماحول اور فضا سے قریب رہے، ندوہ سے ان کو دو یا تین پشتوں کا تعلق تھا، وہ اس کے مقاصد اور دعوت سے بچپن سے آشنا اور مانوس تھے، پھر ان کا مطالعہ جتنا بڑھتا گیا اس پر ان کا اذعان اور اس کی صحت وصداقت پر یقین بھی بڑھتا گیا، اس آزاد علمی استفادہ کے علاوہ انہوں نے مولانا شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم شیخ الحدیث دارالعلوم کے درسِ حدیث میں سال بھر باقاعدہ شرکت کی اور ان سے صحاح کا درس لیا۔[1]

ان کا ذہنی وادبی ارتقاء تیزی کے ساتھ جاری رہا، عمر و مطالعہ کے ساتھ اور جو حالات مشرق وسطیٰ میں پیش آ رہے تھے، ان کے اثر سے ان کے قلم کی روانی اور اس سے بڑھ کر ان کے قلم کی طاقت اور جوشِ تحریر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ سچی بات ہے کہ وہ اس میں مجھ سے بازی لے گئے، ان میں فطری طور پر خطابت کا مادہ نہ تھا، خطابت کی یہ طاقت بھی زبان سے قلم ہی کی طرف منتقل ہوگئی

---

[1] اس درس میں مولوی ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (حال مستشار علمی رئیس القضاۃ ابوظبی) ان کے رفیق وشریک تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ان کی عربی تحریر میں خطیبانہ جوش، بے ساختگی اور برجستگی اور آمد و روانی ایسی پیدا ہوگئی جو آتش نوا اور شعلہ بار خطیبوں کا شیوہ اور ان کی تقریروں کا خاصہ ہے۔

۱۹۵۵ء میں انہوں نے ''البعث الاسلامی'' کے نام سے ایک عربی رسالہ نکالا، اس کے مدیر، مالک سب کچھ محمد میاں ہی تھے، بھائی صاحب مرحوم نے اس کی سرپرستی قبول فرمائی، محمد میاں کے دوست اور دارالعلوم کے لائق استاذ مولوی سعید الرحمٰن ندوی ان کے معاون خاص تھے۔

خوش قسمتی سے اس رسالہ کو اسی حسنی گھرانے کے دو اور لائق فرزند محمد میاں کے پھوپھی زاد بھائی مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولوی سید واضح رشید ندوی کا قلمی تعاون بھی حاصل ہوگیا، یہ دونوں بھائی (اللہ ان کی عمر میں برکت دے) عربی صحافت کی ممتاز صلاحیت رکھنے کے ساتھ انھیں جذبات و خیالات سے سرشار تھے جو محمد میاں کے سینے میں موجزن تھے، ان چاروں نے ایک ٹیم کی طرح کام کیا، اور رسالہ کو تیزی کے ساتھ ترقی دی، جب رسالہ کی افادیت ومقبولیت نمایاں ہوئی تو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی نے (۱۹۶۰ء میں) اس کو ندوۃ العلماء کے ترجمان کی حیثیت سے لینے کا فیصلہ کیا، اور بھائی صاحب مرحوم کی فراخ دلی، اور محمد میاں کے ایثار سے یہ رسالہ ندوۃ العلماء کی طرف سے خوبصورت ٹائپ میں چھپنے لگا، پہلا شمارہ جو ندوۃ العلماء کی جانب سے نکلا اور جس پر ''تصدرها ندوة العلماء'' لکھا ہوا ہے، وہ رمضان وشوال ۱۳۷۹ھ (مارچ واپریل ۱۹۶۰ء) کا پرچہ ہے، اسی کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۵۹ء سے ایک پندرہ روزہ اخبار ''الرائد''

www.abulhasanalinadwi.org

بھی نکلنا شروع ہوا جس کے مدیر خصوصی مولوی محمد رابع ندوی، شریک ادارت مولوی واضح رشید ندوی تھے، اور خصوصی مضمون نگار محمد میاں، اس اخبار نے رسالہ کو کمک پہونچائی اور دونوں نے مل کر صحیح خیالات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

''البعث'' نے ایک ایسی حکومت، دعوت اور تحریک کے خلاف محاذ کھول دیا جو عصر حاضر کی ان تمام طاقتوں سے مسلّح تھی جو کسی بڑی حکومت، وسیع ملک اور شاطر قیادت کو حاصل ہوتی ہیں، کہاں مصر کا سحر سامری اور دبدبۂ فرعونی جس کے جلو میں صحافیوں، ادیبوں، خطیبوں، مصنفین، اہل قلم کا لشکر اور ذرائع ابلاغ کے زبردست مرکز تھے، جنھوں نے اچھی اچھی مخالف عرب حکومتوں کے چھکّے چھڑا رکھے تھے، کہاں یہ محدود تعداد میں معمولی ٹائپ و کاغذ پر چھپنے والا عربی کا یہ غریب رسالہ، جس کے عملے کا حال یہ تھا کہ ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

لیکن اس کے صاحبِ ایمان نوجوان مدیر کا جوشِ جنوں، اس کی غیرت ایمانی اور زورِ قلم کی وجہ سے جس نے سید جمال الدین افغانیؒ کے ''العروۃ الوثقیٰ'' کے مخصوص مقالات اور مولانا آزادؒ کے ''الھلال'' کے آتشیں اداریوں کی یاد تازہ کردی تھی، بہت جلد اس رسالہ نے اسلام پسند حلقوں میں جو مصر کی اس ''خانہ برانداز'' تحریک سے بے چینی محسوس کرتے تھے، لیکن کھل کر اپنی بیزاری کا اظہار اور مصر کی قیادت پر تنقید نہیں کرسکتے تھے، مقبولیت حاصل کرلی اور انہوں نے اس کو نہ صرف اپنے خیالات کا ترجمان سمجھا بلکہ اپنے زخموں کا مرہم اور اپنے درد کی

www.abulhasanalinadwi.org

دوا سمجھا، اس کا اندازہ ان تعزیتی خطوط اور تعزیتی نوٹس سے ہوگا جو عالم عربی کے بلند پایہ، اسلامی الفکر صحافیوں، عالموں، ادیبوں اور رہنماؤں نے اس جواں سال مسلم صحافی کی وفات پر لکھے اور جن کے متعدد نمونے مرحوم کے تازہ مجموعۂ مضامین "تناقض تحار فیه العیون" کے آخر میں شائع ہوئے ہیں.

محمد میاں کا ذہن شروع سے وسیع تھا، ان میں کہیں سے سید جمال الدین افغانی کے آتش کدہ کی ایک چنگاری اڑ کر آ گئی تھی جو ان کو بے چین بنانے اور وسیع خطوط پر سوچنے پر مجبور کرتی تھی، انہوں نے ہندوستان سے تو کیا، اپنے شہر لکھنؤ سے بھی بہت کم باہر قدم نکالا تھا، ان کے سفروں کی حد یہی دو تین قریبی اضلاع تھے، جن سے ان کو وطنیت یا قرب کا تعلق تھا، لیکن وہ لکھنؤ میں بیٹھے بیٹھے عالم اسلام کے اسلام پسند اور حوصلہ مند نوجوانوں کی تنظیم کے خواب دیکھتے تھے، رجب ۱۳۷۹ھ (جنوری ۱۹۶۰ء) میں انہوں نے اپنے رسالہ "البعث الاسلامی" میں سال نو کے تحفہ کے طور پر اس تنظیم کے قیام کی تجویز پیش کی، پھر اگلے شمارہ شعبان ۱۳۷۹ھ (فروری ۱۹۶۰ء) میں "مشروع اسلامی کبیر" کے عنوان سے انہوں نے اس کے قیام کا اعلان کر دیا اور نوجوانوں کو اس کی رکنیت کی دعوت دی، عربی میں اس کا نام "جمعية الرابطة الاسلاميه" تھا، اور انگریزی میں "International Cultural Islamic Organization"

یہ نوجوانوں کی بین الاقوامی اسلامی تنظیم تھی جس کا مقصد آپس میں تعارف، ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت، مسلمانوں میں بیداری پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کے کام میں تعاون، ان کو صحیح مشورہ اور رہنمائی پیش کرنا تھا، اس کی طرف سے عربی انگریزی میں رسائل ومضامین بھی شائع ہوئے، اور وہ دوسرے ملکوں تک پہنچے، بہت سے نوجوانوں نے اس کا خیر مقدم کیا، اور رکنیت قبول کی، یاد رہے کہ یہ رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کے قیام سے دوسال پہلے کی بات ہے۔

محمد میاں کے ان زلزلہ انگیز اداریوں کا سلسلہ جاری رہا اور صحیح الفکر عرب نوجوان روز بروز ان کے گرویدہ ہوتے گئے، جس ماحول اور تربیت میں ان کا نشونما ہوا تھا، اس کے بالمقابل دنیائے اسلام بالخصوص عالم عربی کی مذہب بیزار اور اسلام گریز قومی، اشتراکی، بعثی، مادی تحریکیں اور دعوتیں اور بہت سے ممالک عربیہ (اور خاص طور پر ان ممالک کی جن کو دعوت اسلامی کا مرکز اور اسلامی دنیا کے لئے نمونہ ہونا چاہئے تھا) کی مادہ پرستانہ زندگی نے ان کی طبیعت کے اندر ایک شدید کشمکش پیدا کردی اور (جیسا کہ میں نے ان کی معرکۃ الآرا کتاب "الاسلام الممتحن" کے مقدمہ میں لکھا ہے۔)

> ''ان کے قلم کو ایک ایسے آبشار میں تبدیل کردیا جو چٹانوں سے ٹکرانے کی وجہ سے ابلتا ہے، اور بڑے جوش وشور کے ساتھ گرتا ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے مضامین ان کے قلم سے نکلے جن میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور ہے۔''

اس کا نمونہ ان کے مجموعہ مضامین "الاسلام الممتحن" اور "تناقض تحار فیه العیون" میں دیکھا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان کے آخری زندگی کے مضامین میں ایک اہم مضمون وہ تھا جس میں انہوں نے اس تضاد کا نقشہ کھینچا ہے جو اسلامی ممالک میں عمومیت کے ساتھ اور بعض ان عرب ممالک میں (جو اسلام کی نمائندگی، مقامات مقدسہ کی خدمت وحفاظت اور دین صحیح کی دعوت کے دعویدار اور علمبردار ہیں) وہاں کے سربراہوں اور ذمہ داروں کے اقوال وافعال اور اسلام کی تعلیمات اور وہاں کی روزمرہ زندگی میں پایا جاتا ہے، اور جس کو دور کئے بغیر نہ اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے آسکتی ہے نہ یہ ممالک خطرہ سے نکل سکتے ہیں، انہوں نے اس مضمون میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا اور خون کے آنسو روئے تھے، یہ مضمون ان کے رسالہ ''البعث'' کے رجب ۱۳۹۹ھ (جولائی ۱۹۷۹ء کے) شمارہ میں ''سوال حائر یحتاج الی جواب'' کے عنوان سے شائع ہوا، میں اہتمام سے البعث اور الرائد پڑھتا ہوں لیکن ان دنوں میں بعض تحریری کاموں کی تکمیل کے سلسلہ میں ایسا مشغول ہوا کہ میں یہ نمبر نہیں پڑھ سکا، ان کے حادثۂ وفات کے بعد جب مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کے منھ سے اس کی تعریف سنی اور انہوں نے یہ بتایا کہ انہوں نے ٹیلیفون پر ان کو اس جرأتمندانہ اور مؤثر مضمون پر دل کھول کر داد دی اور ان سے فرمائش کی کہ وہ اس کا ترجمہ خود کردیں وہ اس کو اپنے رسالہ ''الفرقان'' میں شائع کردیں گے، [1] مرحوم کے انتقال کے بعد جب میں بمبئی سے واپس ہوا تو میں نے وہ

[1] مرحوم کی اچانک وفات نے اس کی مہلت نہ دی، خدا کو منظور تھا کہ یہ کام ان کے ہونہار فرزند سید عبداللہ حسنی ندوی سلمہٗ کے قلم سے تکمیل پائے، انھوں نے بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ اس مضمون کو اردو میں منتقل کیا جو الفرقان ماہ شوال ۱۳۹۹ھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

مضمون پڑھا، اور پڑھ کر مسرت کے ساتھ یہ حسرت ہوئی کہ میں نے یہ مضمون ان کی زندگی میں کیوں نہ پڑھ لیا تھا، اگر میں ان کی زندگی میں یہ مضمون پڑھ لیتا تو ان کا ہاتھ چومتا اور پیشانی کو بوسہ دیتا، اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ یہ بات عجیب معلوم ہوتی اور ان کے لئے آزمائش بن جاتی لیکن اس کے بغیر اس پسندیدگی کا اظہار ممکن نہ تھا جو اس مضمون کے پڑھنے سے ہوتی ہے، افسوس ہے کہ اس کی نوبت نہ آئی اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

شاید بہت سے لوگوں پر یہ بات گراں گزرے اور کچھ پڑھنے والے اس کو مبالغہ اور جانبداری پر محمول کریں کہ وہ اپنے اس جوش تحریر وزور قلم میں سید قطب شہید سے آنکھیں ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں اور تعجب نہیں کہیں (ایک عجمی نژاد نوعمر اور ایک عربی الاصل پختہ کار ادیب کا فرق ذہن میں رکھتے ہوئے) ان سے بڑھ جاتے ہوں کہ فوارہ کی روانی اس کے ''جوش دروں'' کا نتیجہ ہوتی ہے اور یہ ''جوش دروں'' ان کو اپنے آبائے کرام اور حضرت سید احمد شہید کے تعلق وعقیدت سے ملا تھا، جس کی نظیر مشرق وسطیٰ میں (مغربی تعلیم وتربیت اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثر سے) اگر مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہے میں نے اپنے اس مقدمہ میں اس حقیقت نگاری کی معذرت کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''میرا اور صاحب کتاب کا رشتہ ایک طرح سے باپ بیٹے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) میں ''ایک تضاد جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں'' کے عنوان سے شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا، اور اس طرح فارسی کا وہ جملہ صادق آیا،

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور استاد و شاگرد کا سا ہے، اس کتاب کا مقدمہ لکھتے وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں اپنی کسی تصنیف کا مقدمہ لکھنے جا رہا ہوں، جس کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کو ''اپنے منھ اپنی تعریف'' اظہار کمال اور خود پسندی پر محمول نہ کریں اور یہ ایک ایسی کمزوری ہے، جس کو دین و شریعت اور اخلاق و تہذیب نے کبھی پسند نہیں کیا، اور میں خود بھی امکانی حد تک اس سے بچنے کی کوشش کرتا رہا ہوں.

لیکن جب میں نے اپنے اس احساس کا حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا اور اس کا تجزیہ کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں درحقیقت لوگوں کے تبصرہ اور قیل و قال سے ڈر رہا ہوں، اس خوف و احساس نے اس مسئلہ کو غیر شعوری طور پر ایک اخلاقی رنگ دے دیا ہے، میں طبیعت کی اس کمزوری کو ایک اخلاقی کمزوری سمجھ رہا ہوں، میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے اس جذبہ و احساس کے سامنے سپر ڈال دی، اور اس خوف سے ایک قابل قدر کتاب کا مقدمہ لکھنے سے باز رہا کہ وہ میرے ایک خورد اور عزیز کی کتاب ہے تو میں ایک خیالی اخلاقی کمزوری اور کوتاہی کا ارتکاب کروں گا، اس لئے کہ قرآن کی اخلاقی تعلیمات جہاں اعزہ و اقارب (اگر وہ برسر باطل ہوں)

www.abulhasanalinadwi.org

کے خلاف شہادت دینے کو ضروری قرار دیتی ہیں، وہیں ان اعزہ واقارب کے حق میں (اگر وہ برسرحق ہوں) شہادت دینے کو بھی واجب گردانتی ہیں، قرآن مجید میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے۔

يَـاأَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ. (النساء : ۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار بنے رہو، اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو، خواہ یہ گواہی تمہاری اپنی ذات، ماں باپ اور عزیزوں کے خلاف پڑے۔''

وہیں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰـهَ يَـأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ اِلٰى أَهْلِهَا، وَاِذَا حَـكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَـعِـظُـكُـمْ بِـهٖ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعاً بَصِيْراً .(النساء:۵۵)

''خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کردیا کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو، خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے، بے شک خدا سنتا اور دیکھتا ہے۔''

اس نابغۂ جواں سال جس نے اپنی عمر کی صرف ۴۴ر بہاریں دیکھیں، اسلام کے اس پرجوش داعی وسپاہی اور اس پر مستزاد اپنے گھر کے اس

www.abulhasanalinadwi.org

"گوہر شب چراغ" اور لخت جگر کے انتقال سے دل ودماغ پر جو گزری اور گزر رہی ہے اس کو امیر خسرو کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے کسی ایسے ہی حادثہ پر اپنے مالک حقیقی کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، کہ حقیقت حال کی عکاسی اور دل کی ترجمانی اس سے بہتر نہیں ہوسکتی۔

جاں زتن بُردی ودر جانی ہنوز
دردہا دادی، ودر مانی ہنوز

❁❁❁

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا محمد الحسنیؒ

حیات وخدمات ایک نظر میں

۱۹۳۵ء.....(۱۵/اکتوبر۔۱۷/رجب ۱۳۵۴ھ)۔ پیدائش.

۱۹۴۱ء.....(اگست).....بذریعہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ رسم بسم اللہ ادا ہوئی.

۱۹۵۰ء..... پہلا عربی مضمون (حضرت مولانا علی میاںؒ کی تقریر کا ترجمہ) بین الصورة والحقیقة .

۱۹۵۵ء.....مولانا سعید الرحمٰن اعظمی اور سید محمد اجتبا ندوی کے ساتھ البعث الاسلامی جاری کیا، جسے ۱۹۶۰ء میں ندوہ نے لے لیا.

۱۹۶۰ء.....(فروری، شعبان ۱۳۷۹ھ) "جمعیة الرابطة الاسلامیة" قائم کی.

www.abulhasanalinadwi.org

۱۹۶۳ء.............(۱۰ر نومبر) تعمیر حیات جاری کیا۔

۱۹۶۴ء.............مسلم مجلس مشاورت کے وفد کے ساتھ گجرات واحمد آباد وغیرہ کا دورہ کیا۔

۱۹۶۷ء.............حضرت مولانا علی میاںؒ کے ساتھ پہلی دفعہ سفر حجاز پر گئے۔

۱۹۷۲ء.............الندوة العالمية للشباب کی دعوت پر دوسری بار حجاز گئے۔

۱۹۷۴ء.............جامعہ اسلامیہ کے اجلاس شوریٰ کے موقعہ پر تیسری بار حجاز گئے۔

۱۹۷۶ء.............پہلی عربی تصنیف "الاسلام الممتحن" قاہرہ سے شائع ہوئی۔

۱۹۷۸ء.............(جولائی) پہلی ایشیائی کانفرنس مین شرکت کے لئے پاکستان کا دورہ کیا۔

۱۹۷۹ء.............(۱۳ر جون) سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور تکیہ کلاں رائے بریلی کے خاندانی قبرستان میں محوخواب ہوئے۔

الاسلام الممتحن، مصر تتنفس، إلى القيادة العالمية،

اضواء على الطريق، مع الحقيقة

(اردو میں) تذکرہ شاہ علم اللہ، سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، روداد چمن، جادہ فکر وعمل، قرآن آپ سے مخاطب ہے ان کے علاوہ متعدد اردو کتابوں کے ترجمے عربی میں، اور عربی کے اردو میں کیئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدۂ توحید

(۱)

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ [النساء: ۳۶]

''اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو۔''

اِسلامی نظام اور دین کامل میں سب سے پہلا شعبہ ایمانیات کا ہے، اس کے بعد معاشرت، معاملات، سیاست وحکومت، معاشیات، تعلیم وتربیت اور دوسرے تمام امور آتے ہیں، لیکن ایمانیات میں سب سے زیادہ اہمیت خدائے واحد کی عبادت اور شرک کی تمام قسموں سے کلی اجتناب کی ہے، یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد سارا اسلامی نظام گردش کر رہا ہے، اور اس میں ادنیٰ درجہ کا خلل پورے نظام اور پورے ڈھانچہ کو متاثر ومجروح کر دیتا ہے، عبادت کیا ہے، اس کی تشریح خود قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الأنعام: ۱۶۳]

''کہہ دیجئے کہ میری نماز اور ساری عبادات اور میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اولین مسلمانوں میں ہوں۔''

یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ہر قسم کی مالی اور بدنی قربانی، خدا کی یاد، خدا کا ذکر، الغرض اس طرح کی جتنی چیزیں ہیں، اسی طرح زندگی اور موت کے جتنے معاملات ہیں، سب میں بندہ کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہئے، اس میں دو پہلو ہیں، ایک ظاہری پہلو ہے اور وہ یہ ہے کہ ان ارکان دین کی صورت ادا ہو، یعنی جن احکام و تعلیمات اور شرائع و آداب کے ساتھ ان کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح ان کو ادا کیا جائے، دوسرا ان کا باطنی پہلو ہے، جس کو ایمان و احتساب سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر چہ فیصلہ ظاہر ہی پر کیا جائے گا، لیکن عبادت کے مفہوم میں یہ سب باتیں شامل ہیں، اگر نماز میں تعدیلِ ارکان ضروری ہے تو اس کے ساتھ خشوع اور تصحیح نیت کی بھی بہت تاکید آئی ہے، لیکن خشوع اور نیت وہ چیز ہے جو نمازی کا خدا سے براہ راست معاملہ ہے۔

عبادت کے اس مفہوم کے بعد اب اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس

www.abulhasanalinadwi.org

میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش نہ ہونی چاہئے، اس میں شرک جلی، شرک خفی، ہر قسم کے شرک کی کلی نفی کردی گئی ہے، ''شَیْئاً'' کے لفظ میں ہر قسم کا حصہ پایا جاتا ہے، کوئی ہستی، نبی، ولی، چاند، سورج، پہاڑ، دریا، چرند و پرند، غرض کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی نفی ''لَاتُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئاً'' میں نہ کردی گئی ہو۔

غرض توحید خالص یعنی خدائے واحد کی عبادت اور شرک کی تمام قسموں کی نفی، یہ دو مثبت اور منفی پہلو ہیں جن کے ملنے سے اسلامی نظام صحیح اور کامل طور پر قائم ہوتا ہے۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص ایک سب سے طاقتور اور بالاتر ہستی پر جو خالق بھی ہے اور مالک بھی، رازق بھی ہے اور رحمٰن و رحیم بھی، ایمان لاکر اور تنہا اسی سے وابستہ ہوکر اور اس پر بھروسہ کرکے شرک اور ہر کمزوری، بیماری اور آلائش سے پاک ہوکر کتنا غنی، طاقتور، بیباک، پرسکون اور راضی و قانع اور خوش و مطمئن ہوسکتا ہے۔

اس کے برخلاف کئی خداؤں کو تسلیم کرنے والے یا اس کے ساتھ مختلف چیزوں اور مختلف ہستیوں کو شریک کرنے والے اپنے کو کس درجہ بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں اور یکسوئی و اطمینان کی دولت سے کتنے محروم رہتے ہیں۔

عقیدۂ توحید کا سب سے پہلا اثر طاقت اور برکت پر ہے، اور جو شخص اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، نجی ہوں یا عمومی، اپنے کو کسی چیز کا محتاج محسوس نہ کرے گا، اور ﴿حُنَفَاءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ﴾

www.abulhasanalinadwi.org

[الحج : ۳۱] (اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل یکسو اور اپنا رخ اس کی طرف کئے ہوئے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے والے) کی سچی تصویر ہوگا، وہ انتشارِ ذہنی اور انتشارِ قلبی اور اس کے نتیجہ میں بیرونی انتشار اور خارجی فساد سے کتنا محفوظ ہوگا۔۔۔قرآن مجید میں ایک جگہ امن واطمینان کی اس کیفیت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے

﴿اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ اُولٰئِکَ وَھُمْ مُھْتَدُوْنَ (الانعام : ۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم (یعنی بیجا و بے محل بات سے آلودہ نہ کیا) انہیں کے لئے امن ہے اور وہ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

ظلم کی حقیقت کیا ہے اور سب سے بڑا ظلم کسے کہتے ہیں، اس کی تشریح اس آیت سے ہوتی ہے۔

﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾[لقمان:۱۳]

''اے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

ظلم کی تعریف لغت میں ''وضع الشیٔ فی غیر محلہ'' (کسی چیز کو بے محل جگہ رکھنا) آئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر معبودان باطل یا کمزور و ناتواں اشیاء کو شریکِ خدا ٹھہرانے سے زیادہ بے محل اور ناروا بات دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے؟

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدۂ توحید

(۲)

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ [الروم: ۴۰]

''وہ اللہ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو موت دیگا، پھر تم کو زندہ فرمائے گا، کیا ان میں سے کوئی جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو، کوئی ایک چیز بھی کرسکتا ہے، پاک ہے وہ اور بلند و برتر ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

سورۂ روم کی اس آیت میں اللہ تعالی نے ایمانیات کے سلسلے میں ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے، اس

www.abulhasanalinadwi.org

میں چار بنیادی چیزیں بیان کی گئی ہیں:

ایک پیدائش، یعنی انسان کا عدم سے وجود میں آنا، دوسرے اس کے رزق وروزی کا سامان، تیسرے موت اور چوتھے زندہ کیا جانا.

اس کے بعد کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں مکمل طور پر یہ چاروں چیزیں ہیں، اب تم بتاؤ کہ ان معبودانِ باطل کے ہاتھ میں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے، کیا ان میں سے ایک چیز پر بھی وہ قادر ہیں.

سورۂ روم کی اس آیت سے کچھ ہی قبل فطرت انسانی کا ذکر کیا ہے.

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴿ [الروم: ۳۰]

''اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں.''

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرت ایک ہے اور صحیح وسلیم ہے، اس کے اندر حق کی قبولیت کا مادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے عجز ونیاز اور بندگی اس کے خمیر میں شامل ہے، اس مقدمہ کے بعد تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا چیلنج پیش کیا گیا ہے، کہ بتاؤ وہ قادرِ مطلق، خالق ورازق، مارنے والا اور جلانے والا خدا، بندگی واطاعت کے لائق ہے یا وہ جن کو تم نے خدا کا شریک بنایا ہے؟

اگر انسان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے، اور گناہوں پر اصرار، عناد وسرکشی اور تمسخر واستہزاء نے اس کے دل پر مہر نہیں لگا دی ہے، تو بے ساختہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیگا، یہ اس کی فطرت کی پکار ہوگی، اور اس کے جذبۂ بندگی کی تسلی!

www.abulhasanalinadwi.org

یہ وہ موقع ہے جہاں کسی لفظی دلیل اور بحث ومباحثہ اور تبادلۂ خیال کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کا پیدا کرنے والا، اپنی مخلوق، اپنے عاجز ولاچار بندے سے جو کسی عارضی غفلت اور گمراہی کی وجہ سے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور شرک کی ظلمت میں پھنس گیا ہے، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کو خود سوچے اور دیکھے کہ وہ اپنے ساتھ کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے۔

فطرت کی یہ سلامتی دراصل وہ عہد ہے جو تخلیقِ انسانیت کے وقت تمام انبیاء کرام کی موجودگی میں کیا گیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) "قَالُوْا، بَلٰى" [الاعراف: ۱۷۲] (سب نے کہا: ہاں!) یہ فطرت دنیا کے ہر انسان میں ہے، اسی کی تشریح حدیث شریف میں اس طرح آئی ہے کہ "كل مولود يولد على الفطرة" (ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے) "فأبواه يهودانه أو ينصرانه او يمجسانه" (پھر بعد میں اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں،) یہ سب والدین کی تعلیم وتربیت اور ماحول کے اثرات واتباع کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔

آیت بالا میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ جاہل سے جاہل آدمی اور کم سے کم عقل رکھنے والا بھی ان کو محسوس کرتا اور سمجھتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدۂ توحید

(۳)

قرآن مجید میں جو احکام، اصول، معاملات اور زندگی گزارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں دو چیزیں بہت اہم ہیں، ایک عبادت دوسرے استعانت (یعنی مدد چاہنا) سورۂ فاتحہ دراصل پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا اگر کوئی خلاصہ کرنا چاہے تو شاید تنہا یہی آیت اس کے لئے کافی ہوگی، یعنی ﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾

''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں''

مشہور مفسر علامہ ابن کثیر نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:۔

''پورا دین ان دونوں چیزوں کے اندر داخل ہے جیسا کہ بعض علماء سلف نے کہا ہے، سورۂ فاتحہ قرآن کا سر (روح) اور سورۂ فاتحہ کا سر (روح)

www.abulhasanalinadwi.org

"ایاک نعبد و ایاک نستعین" ہے۔"

سچ پوچھئے تو انسان کی پوری زندگی عبادت اور استعانت کا نام ہے، یعنی اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی فطری خواہش رکھی ہے کہ وہ کسی کو اپنا سرپرست سمجھے، اس کے سامنے اپنے جذبات بے تکلفی وسادگی اور سچائی کے ساتھ ظاہر کر سکے، اس کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی ٹیک سکے، اور یہ سمجھے کہ اس کا کوئی بڑا ہے، اس کا کوئی سہارا ہے اور ایک ایسی سرکار بھی ہے جہاں سے سب کچھ اس کو مل سکتا ہے۔

قرآن مجید نے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہہ کر نہ صرف انسان کے اس جذبہ کی تسلی کی ہے بلکہ غلط راستے پر جانے کے سارے دروازے اس پر بند کر دیئے ہیں، اس لئے کہ عبادت صرف نماز پڑھنے یا سجدہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ کسی بت، خیالی معبود یا بادشاہ یا حاکم یا پیر اور بزرگ یا چاند، سورج، ستاروں، دریاؤں اور پہاڑوں، جانوروں اور اس طرح کی ساری چیزوں کو یہ سمجھنا کہ یہ ہماری قسمت کے مالک ہیں، اور ان کو ہر طرح کا اختیار اور قدرت حاصل ہے، عبادت کے خلاف ہے، یہاں تک کہ وہ رسم ورواج بھی جو از روئے شریعت غلط ہیں یا زندگی کے وہ طریقے جو انسان نے خود بنائے ہیں، سب ان میں شامل ہیں، عرب میں دستور تھا کہ جب ضرورت پڑتی تھی تو اپنے حالات کے مطابق مٹی کا کوئی بت بنا کر رکھ لیتے تھے، بعد میں اس کو توڑ ڈالتے تھے، مثلاً سفر میں بڑا بت لے جانا مشکل ہوا تو کوئی چھوٹا بت ہنگامی طور پر بنالیا، اور واپسی پر پھینک دیا، آج یہ ہوتا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر کچھ باتیں اپنے دل سے طے کر لیتا ہے، اس کے بعد اپنے اوپر ان کو اس طرح تھوپ لیتا ہے جیسے وہ خدائی حکم ہوں، بعض وقت وہ کوئی ایسی بات اپنی نادانی اور جہالت سے اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے جس سے خود اس کو بعد میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتا، اور جس طرح اللہ کا ایک وفادار اور سچا بندہ اللہ کے حکموں کو مقدس اور اٹل سمجھتا ہے، اسی طرح وہ اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو مقدس اور اٹل سمجھتا ہے اور ان کا کلمہ پڑھتا رہتا ہے، کمیونزم، اشتراکیت، سرمایہ داری، زبان، وطن اور رنگ و نسل کے نعرے، تہذیب کے نام پر موجودہ بدتہذیبی اور آزادی کے نام پر اپنے نفس کی غلامی، یہ سب درحقیقت وہ چھوٹے بڑے بت ہیں جو انسان نے خود بنائے ہیں، اور خدا کی طرح ان سے معاملہ کر رہا ہے۔

"اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہہ کر وہ گویا ان سارے بتوں، بے خدا نظاموں سے پوری طرح آزاد ہو جاتا ہے اور ایک خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔

دوسری چیز استعانت ہے یعنی مدد چاہنا، یہ انسان کی زندگی کا دوسرا اہم ستون ہے، اگر وہ غیر اللہ کی عبادت سے نکل بھی آتا ہے تو اکثر یہاں آ کر پھنس جاتا ہے، یعنی موحد ہونے، خدا کی عبادت کرنے اور اس کو اپنا مالک و آقا سمجھنے کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کے ہاتھ میں بھی بہت کچھ ہے اور ان سے بھی مدد چاہ سکتا ہے، یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ استعانت دو قسم کی ہے، ایک جس پر زندگی کا نظام قائم ہے، اور جو خالص انتظامی معاملہ ہے، مثلاً ہم بیمار ہوتے ہیں تو

www.abulhasanalinadwi.org

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں، لیتے دیتے ہیں، کسی بزرگ مرد صالح سے دعا کے لئے کہتے ہیں، ایک وہ جس میں کسی کو مشکل کشا اور کارساز سمجھا جائے، مثلاً فلاں بزرگ ہماری مشکل دور کر سکتے ہیں، فلاں حاکم چاہے تو ہماری قسمت کا ستارہ چمک سکتا ہے، فلاں آدمی بھی نقصان پہونچانے کی قدرت رکھتا ہے، فلاں نفع پہونچانے پر قادر ہے، یہ مدد چاہنے کی وہ شکل ہے جو غلط ہے، اور "ایاک نستعین" کے خلاف ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ غیر اللہ کی عبادت سے زیادہ غیر اللہ سے مدد چاہنا زندگی میں عام ہے، آدمی ہر نماز میں اور ہر رکعت میں یہ کہتا ہے کہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" لیکن وہ اس وقت جب مسجد سے باہر ہوتا ہے تو حاکم کے ڈر سے سچی بات نہیں کہتا یا کسی فائدے اور ترقی کے لالچ میں اس کے سامنے بالکل جھکنے لگتا ہے اور عزت نفس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اس کے دل میں چور ہوتا ہے، کہ یہ چاہیں تو ہمارا کیس خراب کر سکتے ہیں اور اب تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمارا فیوچر (مستقبل) خراب کر سکتے ہیں، اس طرح کی بات کرنا یا سوچنا اور دل میں اس کا یقین رکھنا یہی دراصل غیر اللہ سے مدد چاہنا ہے، بدعت کی اکثر قسمیں چڑھاوے، قبر کی قسمیں، یہ سب اسی استعانت میں داخل ہیں، اسی طرح سیاسی واجتماعی زندگی میں اہل حکومت اور اہل دولت کو نفع ونقصان کا مالک اور مستقبل خراب کر دینے پر قادر سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ سفارش ہی سب کچھ ہے، خوشامد سے سارے کام بنتے ہیں، اور ان لوگوں کے ہاتھ میں بہت کچھ ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

استعانت کی وہ شکل ہے جو ایک سچے مسلمان کی زندگی سے بالکل میل نہیں کھاتی۔

قرآن مجید میں عبادت اور استعانت دونوں چیزوں میں غیر اللہ کی مکمل نفی کر کے انسان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے، اور صرف ایک خدا کی غلامی میں داخل کیا ہے جو حقیقتاً ہر چیز پر قادر ہے، یہ وہ یقین ہے جس کے بعد ایک معمولی اور عام مسلمان دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ، اور ڈکٹیٹر اور حاکم کے سامنے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

عظمتِ رب

قرآن مجید نے انسان کے دل میں صرف عقیدۂ توحید کو مستحکم کرنے اور شرک سے نفرت و کراہیت پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے خدائی عظمت وجلال اور قدرت و کبریائی کے وہ اوصاف بھی جگہ جگہ بیان کئے ہیں، جس کے بعد انسان کے دل میں خود بخود یہ جذبہ موجزن ہونے لگتا ہے کہ ایسے قدرت والے مالک اور آقا کو چھوڑ کر کہیں اور نہ جائے، اور اس کا تعلق اپنے پیدا کرنے والے سے صرف رسمی اور قانونی نہ رہے، بلکہ جذباتی بھی ہو اور یہ ایمان اس کے رگ وریشہ میں پیوست ہو چکا ہو، اس سلسلہ میں قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ کے صفات کریمہ اور اسماء حسنیٰ کا ذکر ملتا ہے، لیکن آیۃ الکرسی میں ایک خاص البیلے اور پر شکوہ انداز میں اس کا بیان ہے اس لئے ہم اسی کو یہاں درج کر رہے ہیں۔

﴿أَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ، لَهُ

www.abulhasanalinadwi.org

مَافِیْ السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ، مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ،وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ، وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، وَلَایَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا، وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ [البقرة:۲۵۵]

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہ اس کو پکڑ سکتی ہے اونگھ اور نہ نیند، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے مگر اس کی اجازت سے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، وہ نہیں گھیر سکتے کسی بھی چیز کو اس کے علم میں سے مگر وہ جو چاہے، اس کی بادشاہی آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں ہے، وہ بڑا عالی مرتبہ اور عظیم الشان ہے۔''

جس خدا کو انسان نے خدائے واحد تسلیم کیا، اپنا رب، مالک، حاکم اور آقا مانا، اس کی قدرت اور بڑائی کا حال جس طرح بیان کیا گیا ہے، شاید کسی اور جگہ اس طرح نہیں کیا گیا۔

کہا یہ جا رہا ہے کہ ان معبودان باطل کے سامنے خواہ وہ چاند، سورج کی شکل میں ہوں یا دیوی دیوتاؤں کی، یا پتھروں کی، پہاڑوں، درختوں اور سمندروں

www.abulhasanalinadwi.org

کی، خدا کی اس عظمت کا تصور کرو جس کا مشاہدہ تم خود بھی اپنے اندر اور پوری کائنات میں کرتے رہتے ہو، اس بات کو قرآن میں اس طرح کہا گیا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾

[حم السجدة: ۵۳]

''ہم عنقریب دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کے نفسوں میں، یہاں تک کہ یہ بات اچھی طرح صاف ہو جائے کہ وہ حق ہے۔''

انسان کی فطرت سلیم کا تقاضہ، اس کے مشاہدہ، اس میں عبودیت کی بیکراں خواہش اور اپنے کو کسی بالاتر ہستی کے پوری طرح حوالہ کر دینے کے جذبہ کی تسکین کا پورا سامان آیۃ الکرسی میں موجود ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سارے خداؤں اور ساری خدائی کو چھوڑ کر تم نے جس پاک اور بے عیب، بلند و بالاتر خدائے قدوس کا سہارا لیا ہے.....اس کی کبریائی، اس کی سلطنت و اقتدار، قوت و طاقت کے سامنے سارے آسمان و زمین کوئی چیز نہیں، اس کرۂ ارضی کی دوسری حقیر اشیاء کا کیا ذکر ہے.....ان صفات کو دیکھ کر اور سن کر ایک انسان کا دل اگر وہ مر نہیں گیا ہے یا مسخ نہیں ہو گیا ہے، خدا کی محبت و عظمت سے خود بخود لبریز ہونے لگتا ہے۔

یہ اس کی فطرت سلیم کا تقاضہ بھی ہے، احسان شناسی کا جذبہ بھی ہے، اور اس کی شدید روحانی و جسمانی ضرورت بھی!

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدۂ رسالت

(۱)

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾[الجمعة: ۲]

''وہی ہے جس نے بھیجا ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو پڑھ کر سناتے ہیں اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو سکھاتے ہیں کتاب اور دانشمندی اور تھے یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں''

ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسالت کا نمبر ہے، کامیابی اور نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حاکمیت مطلقہ اور ربوبیتِ تامہ پر ایمان کافی

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں، اسی کے ساتھ سلسلۂ نبوت اور ان تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا، حضرت آدمؑ سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک تمام انبیاء پر ایمان لانا، ایمان کی درستی کے لئے لازمی شرط ہے، ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور ان پر بھی جن کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ جنکا ذکر نہیں ہے، ان پر ہمارا ایمان اجمالی ہونا چاہئے، اپنی طرف سے تاریخی مطالعہ کی بنیاد پر، یا دوسرے صحف آسمانی کی روشنی میں ہم کسی کو بھی متعین طور پر نبی نہیں قرار دے سکتے، لیکن ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ [الفاطر: ۲۴] "کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ہم نے ڈرانے والا نہیں بھیجا" کی بنیاد پر اجمالی طور پر اور مجموعی حیثیت سے سب پر ایمان رکھنا چاہئے، ان میں سب سے بڑا مرتبہ سید الانبیاء، خاتم النبیین محمد ﷺ کا ہے۔

اس بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ نبی کی حیثیت صرف قائد کی نہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ خدا کا پیغام پہونچا کر اپنا کام ختم کر دیتا ہے، انسان بھی اس پیغام کو لے کر اس سے مستغنی ہو جاتے ہیں، بلکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان احکام و تعلیمات کو جیتے جاگتے کرداروں میں پیش کرے، یہ وہ چیز ہے جس کو.....

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیمِ کتاب وحکمت سے تعبیر کیا گیا ہے، ان تین میدانوں میں دعوت وتربیت کے بعد رسالت کا عظیم مقصد پورا ہوگا، اور انسانوں کا وہ معاشرہ وجود میں آسکے گا جس میں ان تعلیماتِ الٰہیہ کا پورا عکس

www.abulhasanalinadwi.org

جھلک رہا ہو۔

تربیت وتعلیم کا سب سے اہم پہلو جامعیت ہے، وہ نہ صرف تلاوت ہے اور نہ صرف مجاہدہ وعبادت، نہ محض علوم ومعارف، بلکہ وہ ان تینوں پہلوؤں کا جامع ہے، اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایمان بالرسالت میں رسالت کا یہ وسیع تر مفہوم شامل ہے، اور کوئی دعوت، اصلاحی وتبلیغی کوشش، اسلامی علوم کے احیاء کا مشن، اس وقت تک مکمل اور جامع نہیں کہلائے گا جب تک رسالت کا یہ عکسِ جمیل اس میں نظر نہ آئے۔

لیکن ایمان بالرسالت میں صرف کمال وجامعیت ہی کا مفہوم شامل نہیں اور اس میں صرف رسمی وقانونی تعلق کا مطالبہ نہیں، اس کے ساتھ ساتھ عقیدت ومحبت کے وہ جذبات بھی مومن کے دل میں موجزن ہونے چاہئیں جس کے بے نظیر واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نظر آتے ہیں۔

صلح حدیبیہ سے پہلے عروہ بن مسعود کو قریش نے سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور ان کو ہدایت کی تھی کہ وہاں جو کچھ دیکھیں یہاں آکر بتائیں، انھوں نے آکر جو صورت حال بیان کی اور آجکل کی زبان میں رپورٹ پیش کی، وہ یہ ہے، عروہ کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ وضو کرتے ہیں تو وضو کے بچے ہوئے پانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم یوں گرتے ہیں گویا اب لڑ پڑیں گے، حضور اکرم ﷺ کے دہن مبارک سے جو شے نکلتی ہے اس کو زمین پر گرنے نہیں دیتے، وہ کسی نہ کسی کے

www.abulhasanalinadwi.org

ہاتھ پر رک جاتی ہے، جسے وہ سر پر مل لیتے ہیں، حضور ﷺ جب کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کچھ بولتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں، تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار دیکھا ہے، قیصر کا بھی دربار دیکھا ہے اور نجاشی کا بھی دربار دیکھا ہے، مگر اصحابِ محمدؐ جو تعظیم محمد ﷺ کی کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو خود اس کے دربار اور ملک میں حاصل نہیں ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدۂ رسالت

(۲)

﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾[الفتح: ۹]

''تا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت و تعظیم کرو۔''

سلسلۂ ایمانیات کا ایک بہت بڑا رکن رسالت پر ایمان ہے، اس لئے کہ ان سارے ارکان اور حقیقتوں کا علم ہم کو رسولوں ہی کے ذریعہ ہوا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے پاس اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو نہ بھیجتا تو یہ حقیقتیں اور خدا کی مرضی ومشیت کے مطابق زندگی گزارنے کا علم کسی کو حاصل نہ ہوسکتا، اس وقت ہر شخص اپنے ذوقِ مسلک، اپنے علم وتجربہ، اپنے آباء واجداد کی سنی ہوئی باتوں اور قصہ کہانیوں پر بھروسہ کرتا، اور ہمیشہ بھٹکتا رہتا، اس دنیا پر ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے

www.abulhasanalinadwi.org

بعد سب سے بڑا احسان اس کے پیغمبروں اور سب سے بڑھ کر پیغمبروں کے سربراہ محمد ﷺ کا ہے۔

رسالت پر ایمان، نہ صرف حقیقت کا مطالبہ ہے بلکہ وہ انسان کے لئے جذبۂ احسان مندی کا اظہار اور خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ اور راستہ بھی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾[الفاطر: ۲۴]

''کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا اور خبر دار کرنے والا نہ آیا ہو۔''

لیکن رسالت کا کام صرف خدا کا پیغام اور خدا کے احکام بتا کر بری الذمہ اور بے تعلق ہو جانا نہیں ہے، رسول اور نبی کی حیثیت معاذ اللہ صرف نامہ بر یا ڈاکیہ کی نہیں، اس کے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی پوری صلاحیت وطاقت اور دلسوزی اور قلب وروح کی حرارت اور اپنی بصیرت وبصارت سے کام لیکر انسانی گروہ کو راہ حق پر ڈالے اور اس کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرے۔

سید الانبیاء والمرسلین کے بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دونوں آیتیں اسی بات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

www.abulhasanalinadwi.org

لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ﴾[الجمعة: ۲]

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔''

﴿ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ أَسَفاً﴾ [الکهف: ٦]

''سو شاید آپ ﷺ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دیدیں گے۔''

رسالت پر عمومی اور مجموعی طور پر اور آخری رسالت ''اسلام'' پر خصوصی اور مرکزی حیثیت سے ایمان لائے بغیر عقیدۂ توحید یا آخرت پر ایمان بالکل ناکافی ہے، خواہ اس عقیدہ کے اثرات بھی ایسے شخص کی زندگی میں نمایاں ہوں.

اس کے لئے تمام رسولوں پر ایمان اور آخری رسول (محمد مصطفےٰ ﷺ) کی کامل پیروی اور اتباع لازمی شرط ہے، دوسرے انبیاء پر ایمان مجمل بھی کافی ہے، اس لئے کہ ان کی پیروی ہمیں نہیں کرنا ہے. چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

" لو کان موسیٰ حیاً لما وسعه الا اتباعی" [او کما قال علیه السلام]

''اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ ہوتا۔''

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) پر ایمانِ مفصل کی ضرورت

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، آپ ﷺ کے طریقۂ حیات کو سیکھنے، آپ ﷺ کی تعلیمات کو حاصل کرنے، اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کی اتباع کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے رسمی اور قانونی نہیں، محبت وفدائیت کے تعلق کی ضرورت ہے، صحابہ کرام ؓ کے تعلق کے جو حیرت انگیز واقعات ہم پڑھتے ہیں، ان کا (جس درجہ میں ممکن ہوسکے) ہم سے بھی مطالبہ ہے، اور ہم بھی اس کے مکلف ہیں.

رسالت کی اہمیت سمجھنے کے بعد، آخری ودائمی رسالت کی عظمت وشان اور اس کے نقوشِ قدم کی برکت ونورانیت، اور اس کے پیغام کی ابدیت وآفاقیت، اور اسکی ہمہ گیری وجامعیت، اور اسکی مسیحائی وجاں نوازی کا کسی قدر اندازہ ہم میں سے ہر شخص کو ہوسکتا ہے.

رسالت انسان کی ضرورت بھی ہے اور خدا کی سب سے بڑی نعمت اور بنی نوع انسانی کے لئے اس کا سب سے بیش قیمت تحفہ بھی! سب سے آخری نبوت اور آخری نبی کے ماننے والوں کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهُ أُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الأعراف:۱۵۷]

''سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور انکی حمایت کرتے ہیں اور ان کی امداد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے ہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں.''

www.abulhasanalinadwi.org

آخرت سے غفلت

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم: ۷]

''وہ دنیاوی زندگی کا بھی صرف ظاہر جانتے ہیں اور آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں''

قرآن مجید کا اعجاز، کلام الٰہی کی حیثیت سے اس کی ہر آیت، ہر سطر، بلکہ ایک ایک لفظ اور حرف سے نمایاں ہے۔

یہاں ان لوگوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دنیا سے اور حقائقِ اشیاء سے بہت واقف ہیں، بہت ذی شعور اور بہت ہوشمند ہیں، جہاں دیدہ اور سرد وگرم دیکھے ہوئے ہیں اور دنیا میں کامیاب اور اکثر لوگوں کی نگاہ میں قابل رشک زندگی گزار رہے ہیں، لیکن قرآن مجید چند الفاظ

www.abulhasanalinadwi.org

میں ان کا سارا طلسم پاش پاش کر دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جن کو تم بہت ترقی یافتہ، دانشمند اور آجکل کی اصطلاح میں دانشور سمجھ رہے ہو، دنیاوی زندگی کی اصل حقیقت کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی، یہ صرف اس کا ظاہر دیکھتے ہیں، اور اس کی ظاہری خوشحالی پر ریجھ گئے ہیں.

جس طرح بچے یا ناسمجھ انسان، ظاہری چمک دمک اور زیب وزینت کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی حقیقت اور انجام تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ ایسا رنگ ہے جو شام ہونے سے پہلے اتر جائیگا اور ایسا کھلونا ہے جو دیکھتے دیکھتے ٹوٹ پھوٹ جائے گا، اسی طرح یہ فلسفی، سیاستداں، بڑے بڑے کاروباری اور صنعت کار جن کے یہاں سیکڑوں، ہزاروں پڑھے لکھے نوکر ہیں، پھر ان کے اثر سے عام لوگ دنیاوی زندگی کا صرف ایک رخ جانتے ہیں، اور جس طرح چاند کا ایک رخ ہمیشہ چھپا رہتا ہے، اسی طرح اس تصویر کا دوسرا رخ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے.

قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ وہ دنیا کے تو ماہر ہیں، آخرت کو نہیں جانتے، وہ یہ چیلنج دیتا ہے کہ وہ دنیا کی حقیقت بھی نہیں جانتے، اس کی ناپائیداری و بے ثباتی، اس کا تغیر وانقلاب، اس کے اندر کام کرنے والے پسِ پردہ غیبی اشارے، نہ سمجھ میں آنے والے واقعات، خوشحالی، بے چینی، ناکام فتوحات، آرام کے باوجود بے آرامی اور وسائل کے باوجود محرومی، دولت میں رہتے ہوئے فقر، ایسی تابناک اور بعض وقت المناک حقیقتیں ہیں کہ کوئی ان سے صرفِ نظر نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

کرسکتا، قرآن مجید دوسری جگہ کہتا ہے کہ:

﴿لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴾

[التوبة:۵۵]

(یہ ساری نعمتیں اور سامان عیش اس لئے ان کو دے رکھا ہے)

"تاکہ اسی کے ذریعہ ان کو عذاب دے اور کفر کی حالت میں ان کی جان نکلے"

ان چیزوں کی اصل حقیقتیں تو آخرت میں منکشف ہونگی، جب یہ مال و دولت کے انبار (جو ظلم و زیادتی کے ساتھ جمع کئے گئے اور ہوس نفسانی کو پورا کرنے اور خدا کی نافرمانی اور بغاوت کے لئے استعمال کئے گئے) ان کے گلے کا طوق بن جائیں گے اور ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو اس سے داغا جائے گا، لیکن اس دنیا میں بھی اس کی ظلمت، بے برکتی، بے آرامی ظاہر ہوتی ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ ان چیزوں میں بجائے خود، آرام و سکون پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو دولت حاصل کرنے کے بعد ہر شخص لازماً خوش رہتا، عہدہ و منصب حاصل کرنے کے بعد ہر شخص مطمئن زندگی گزارتا، لیکن ایسا نہیں ہوتا، اللہ جب چاہتا ہے سارے وسائل و اسباب کے موجود ہوتے ہوئے ناکام بنادیتا ہے اور بغیر کسی سبب اور وسیلہ کے کامیاب کرتا ہے، دو آدمی ہیں، ایک غریب و نادار، لیکن خوش و مطمئن، راضی برضا، شاکر و صابر، ایماندار اور محنتی، ایک دولتمند ہے لیکن بے چین، خائف، بے آرام، ناشکر گذار، ناراض، بددیانت، یہ

www.abulhasanalinadwi.org

وہی دنیا کے ظاہر و باطن کا فرق ہے، ظاہر وہ، جو بھی سامنے نظر آتا ہے، باطن وہ، جس میں خدا کی غیبی طاقت کام کرتی ہے، اس کو حدیث نبویؐ میں اس طرح ادا کیا گیا ہے:

"خیر الغنیٰ غنی النفس، وخیر الزاد التقویٰ"

یعنی بہترین دولت، دل کی دولت ہے اور بہترین توشہ اور زادِ راہ تقویٰ ہے، خواہ دل کی یہ دولت یعنی اطمینان قلب، شرح صدر، حکم الٰہی کے آگے سر جھکا دینا اور اس پر خوش بلکہ مست و بیخود رہنا، مادہ پرستوں کو نظر نہ آئے، اور خواہ تقویٰ کے راستہ میں ظاہراً نفس کشی، صبر اور دشواری و قربانی نظر آتی ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

متاعِ قلیل

﴿لَایَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ. مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ.﴾ [آل عمران: ۱۹۶،۱۹۷]

''ہرگز دھوکا میں نہ ڈالے تم کو دور دورہ کفار کا ملکوں میں، تھوڑا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بری قیام گاہ ہے''

یہ آیت بھی ایک لحاظ سے قرآن مجید کی پیشین گوئیوں میں شامل ہے اس لئے کہ تقلب کا مفہوم موجودہ دور میں جتنا نمایاں اور کھل کر سامنے آیا ہے اتنا شاید پہلے نہ تھا، اردو میں اس کا بہترین ترجمہ ''دور دورہ'' کیا جا سکتا ہے، آج دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالئے تو واقعی کفار کا دور دورہ نظر آئے گا، آج کائنات کی طنابیں جس طرح کھنچ گئی ہیں، ہوائی جہازوں نے فاصلوں کو جتنا معدوم کر دیا ہے پھر یہ سارے وسائل اہل باطل کے لئے جس طرح مسخر ہیں اور وہ دنیا میں جس طرح

www.abulhasanalinadwi.org

شان کے ساتھ دندناتے پھر رہے ہیں، ملکوں کی قسمتوں سے جس طرح کھیل رہے ہیں اور جس طرح چاہ رہے ہیں، داد عیش دے رہے ہیں، وہ سب اسی تقلب کے دائرے میں آتا ہے.

کہا یہ جارہا ہے تم کو یہ دور دورہ، ظاہری جاہ واقبال، غلبہ واقتدار، سرعت اور ذرائع ترقی ہرگز ہرگز دھوکا میں نہ ڈالے، ایسا نہ ہو کہ تم اس سے مرعوب ہو جاؤ یا للچائی نگاہیں اس پر ڈالنے لگو، اس لئے کہ یہ سب چیزیں متاع قلیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں.

متاع عربی میں پونجی اور فائدہ کے معنی میں آتا ہے یعنی آخرت کے جاہ واقبال اور دور دورہ کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں، جس سے تمہاری آنکھیں خیرہ ہورہی ہیں وہ بہت عارضی اور بہت تھوڑا سامان ہے اور پھر اس تھوڑے کا عبرت ناک انجام جہنم ہے، وہ برا ٹھکانا اور آرام گاہ ہے، قرآن مجید میں متعدد جگہ مختلف آیات میں اہل باطل کے ذہنی وقلبی مرعوبیت پر کاری ضرب لگائی گئی ہے، ایک جگہ آتا ہے ﴿لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَابِهٖ﴾ یعنی ہم نے ان کو دنیا کی جو زیب وزینت اور حسن وجمال اور سامان عیش دیا ہے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر ہرگز نہ دیکھو، اسی کے ذریعہ تو ہم ان کو آزمائش میں ڈال رہے ہیں، اور بیشک تمہارے رب کا دیا ہوا رزق اور عطا یعنی دنیا میں بقدر کفاف اور آخرت کا اجر وثواب زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار اور باقی رہنے والا ہے، غرض قرآن مجید میں بہت تاکید کے ساتھ اہل باطل واہل کفر سے مرعوبیت کی مذمت

www.abulhasanalinadwi.org

کی گئی ہے، اس لئے بھی سوچنا چاہئے کہ کہیں ہماری اسلامی زندگی کے ساتھ مرعوبیت جمع تو نہیں ہوگئی ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم نماز، روزہ، نوافل وتہجد، زکوۃ، ذکر، دعوت، خدمت ومحنت اور تبلیغ واصلاح سب کے ساتھ ذہنی طور پر ان کفار کے دور دورہ سے مرعوب ہوں اور ان کی ترقیات کو حسرت کے ساتھ اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہوں اور ان کو اس معاملہ میں بڑے خوش نصیب اور کامیاب سمجھ رہے ہوں؟

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن مجید کا ادب

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

[الأعراف: ۲۰۴]

''اور جب پڑھا جائے قرآن شریف، تو سنو اس کو خاموشی کے ساتھ کان لگا کر، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

قرآن مجید ہم سے مخاطب ہے اور اس کی سب سے پہلی شرط اور مطالبہ ہم سے یہ ہے کہ ہم نہایت ادب سے کان لگا کر اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنیں اور دل نشیں کر لیں، اس کا انعام ہم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں جہاں میں اپنی رحمت کاملہ سے سرفراز و سرخرو فرمائے گا۔

یہاں ہم سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ہم اس کے معنی اور مطلب پر ضرور عبور حاصل کر لیں، البتہ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ ادب و احترام، سکون و خاموشی اور

www.abulhasanalinadwi.org

دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ اس کو سنیں یا پڑھیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کی ظاہری شرط پاکی، اور باطنی شرط ادب ہے، اگر ان دونوں چیزوں پر عمل کرتے ہوئے ہم کتابِ الٰہی اپنے ہاتھ میں لیں گے یا کسی قاری سے سنیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا، اور اس کی رحمت کے نزول کی سب سے بڑی پہچان یہ ہوگی کہ قرآن مجید کے وہ معانی اور مطالب، مضامین اور نکتے اور حقائق وعلوم جو ہماری سمجھ سے باہر اور ہماری لیاقت سے بہت بعید تھے.... محض خدا کی توفیق سے خود بخود ہماری سمجھ میں آنے لگیں گے، لیکن یہ بات رفتہ رفتہ پیدا ہوگی، اور طہارت وادب یہ دونوں چیزیں جتنی مکمل ہوں گی اسی قدر مضامین وحقائق سے پردہ اٹھتا جائے گا، جو مادی گندگی، دنیاوی مشغولیت، ذہنی و قلبی انتشار، شیطانی وسوسوں اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے ہماری بصیرت پر اب تک پڑا ہوا تھا، وہ کیفیت جس کو حدیث میں سینے کے وسوسے اور معاملات میں انتشار سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جس سے حضور اکرم ﷺ نے پناہ مانگی ہے، انشاء اللہ زائل ہوجائے گی، یہ قرآن پاک کا وہ پہلا تحفہ اور اس کا شیریں ولذیذ ثمرہ ہے جو ایک مومن کو طہارت وادب کے بعد خدا کی طرف سے ملتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قرآن مجید کا
اعتدال وتوازن اور اس کے نتائج

﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ [بنی اسرائیل: ۹]

''بیشک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے اس کی طرف جو سیدھی راہ ہے''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس راہ ہدایت اور جادۂ اعتدال کی طرف رہنمائی کی ہے، جس کے بغیر منزلِ مقصود پر پہنچنا ناممکن ہے، اس قرآنی اعلان اور چیلنج کی روشنی میں اب اسلام کے معجزانہ نظام پر نظر ڈالئے تو قرآن کی عظمت سے سارے حجابات ایک ایک کر کے اٹھنے لگیں گے، ''أقوم'' کے معنی ہیں سب سے سیدھا، متناسب، موزوں اور متوازن، ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ '' بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا بہترین

www.abulhasanalinadwi.org

اندازے اور تناسب کے ساتھ" حسن وخوبی دراصل تناسب کا نام ہے، شعر کا سارا حسن اس کی موزونیت کیوجہ سے ہوتا ہے، غرض کی ساری کائنات میں یہ اصول کارفرما ہے اور ہر چیز میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

لیکن قرآن کی راہ ہدایت اور راہ اعتدال کا حسن وجمال ان تمام ظاہری محاسن سے کہیں زیادہ ہے، لیکن نہ اس میں کوئی چیز زیادہ ہے نہ کم، ﴿ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾ (اندازہ اور حساب ہے غالب اور حکیم خدا کا)

یہ آیت ایک ایسی روشنی ہے، جس کو لے کر زندگی کی راہوں میں جتنا آگے بڑھے گا، اتنی ہی اسلام کی حقانیت اور صداقت آشکارا ہوگی، عبادات، معاملات، حقوق، عملی جدوجہد، تجارت، سیاست، غرض انفرادی زندگی سے اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی تک، ہزاروں مسائل آپ کے سامنے آئیں گے، لیکن یہ وصف ہر چیز میں نمایاں طور پر نظر آئے گا، اس بات کو سمجھنے کے لئے صرف ایک چیز کو لے لیجئے تو بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔

کھانا انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا، بڑے سے بڑا زاہد ومرتاض ہو یا خالص دنیا پرست، کھانے کے دونوں محتاج ہیں، لیکن کھانے کا توازن درحقیقت کیا ہونا چاہئے اور اس کا صحیح تناسب اور راہ اعتدال جس کو "أقوم" کے معجزانہ لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کو حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں سمجھئے:۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ابن آدم نے اپنے شکم سے زیادہ بڑے

www.abulhasanalinadwi.org

برتن کو کبھی نہیں بھرا، ابن آدم کو تو کمر سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے کافی ہیں، لیکن اگر اس سے چارہ نہ ہو تو ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے رکھے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے چھوڑ دے'' (یعنی منھ تک نہ بھرے)

دیکھئے! زہد وروحانیت اور انسان کی بنیادی ضرورت کو اس نبوی اصول میں کس حسن وخوبی، خوبصورتی اور توازن کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، اور یہی اس آیت کے معنی ہیں کہ قرآن صرف اس چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو سب سے سیدھی متناسب اور معتدل ہو، اب اس آیت کی رہنمائی میں زندگی کے ایک ایک جزئیہ پر نظر ڈالئے، قرآن کا اعجاز خود ہی آپ پر منکشف ہوتا جائے گا، یہ قرآن کا وہ چیلنج ہے جس کو جواب، دنیا کے سارے مذاہب، فلسفے اور سارے عقلاء ریفارمر اور مصلحین اخلاق مل کر بھی نہیں دے سکتے.

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں راستہ، طریقہ اور نظام کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا بلکہ ''للتی'' کیا گیا ہے یعنی ہر چیز کی طرف، اور ظاہر ہے کہ اس لفظ میں زیادہ عمومیت، طاقت اور وسعت ہے.

www.abulhasanalinadwi.org

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق

﴿وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم: ۴].

''اور بیشک آپ اخلاق عظیم پر ہیں''

رسول اللہ ﷺ کے متعلق قرآن مجید کا یہ اعلان اور فرمان کہ بیشک آپ ﷺ اخلاق عظیم یعنی بڑے اعلیٰ اخلاق پر ہیں، ہمارے لئے بہت قابل توجہ ہے، انسانی سیرت میں جو چیز کسی دوسرے کو زیادہ متاثر کرتی ہے، وہ اس کی اندرونی و باطنی کیفیات، عبادات، علم و ادب اور فن و صنعت سے زیادہ اس کا اخلاق ہے، صرف اس کے شیریں و لطیف اخلاق میں وہ موثر ہے جو سخت سے سخت دل کو موم کر سکتی ہے اور اپنا اسیر بنا سکتی ہے۔

انسانی سیرت کا یہ اہم ترین پہلو جو اکثر لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے، اور بڑے بڑے مصلحین اور ریفارمر بھی یا تو اس سے محروم ہیں یا اس کی لطافتوں،

www.abulhasanalinadwi.org

نزاکتوں، رفعتوں اور وسعتوں سے نا آشنا ہیں، رسول اللہ ﷺ میں سب سے زیادہ نمایاں اور تابناک تھا، اور یہ وہ اخلاق تھا جس کی تصویر خود قرآن مجید میں بار بار بیان کی گئی ہے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کے مطابق تھا، بلکہ عین قرآن تھا'' اس لئے اخلاق کے اس سراپا کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے ہمیں خود قرآن مجید کے ان حصوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس سے ہمیں آپ ﷺ کے خلق عظیم کا اندازہ ہوگا، جو آیت بالا میں بیان کیا گیا ہے، ہمیں اگر اخلاق کے نظارے دنیا میں کہیں نظر آتے ہیں، تو اس کے ساتھ ہزار آلودگیاں بھی ہیں:۔

اخلاق ہے لیکن اس کے پیچھے کوئی غرض اور مصلحت بھی ہے۔

اخلاق ہے لیکن اس کے ساتھ ایذا رسانی ہے۔

اخلاق ہے لیکن اس کے ساتھ عجب، خود پسندی اور احسان جتانے کی عادت ہے۔

اخلاق ہے لیکن وہ کسی ایک خاص قوم اور طبقہ کے ساتھ محدود ہے، اور اس میں مذہب وملت اور ذات برادری اور رنگ ونسل کی تفریق ہے۔

اخلاق ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ حدود وقیود ہیں، اس کی ایک خاص سطح ہے جس کے آگے اس کو بڑھنے کی اجازت نہیں۔

فراوانی ہے تو اخلاق ہے، تنگ دامانی ہے تو اخلاق مفقود، آسانی ہے تو اخلاق ہے، دشواری ہے تو اخلاق ختم۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن.....اخلاق کے جمال وکمال، حسن ولطافت اور کرم وسماحت کو دیکھنا ہے تو یہ پیکر ہمیں صاحبِ ''خلق عظیم'' کے سوا اور کہیں نظر نہ آئے گا، ع

ذات ایسی بتاؤ ملے گی کہیں
جو ہو اتنی عظیم و وجیہ و حسیں

بیشک جس طرح آپ ﷺ نے شریعت وعبادات کی تکمیل کی، اسی طرح اخلاق ومعاملات کی تکمیل کی، اور اب کسی کے امکان میں نہیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق سے ایک قدم آگے بڑھ سکے، اس اخلاق سے ہٹ کر اگر اخلاق کی کوئی تصویر ہمیں نظر آتی ہے تو یاد رکھئے کہ وہ اخلاق نہیں، جس طرح عبادات اور نظام شریعت میں کوئی تبدیلی یا ترمیم یا اضافہ ناممکن ہے، اسی طرح نظام اخلاق میں بھی ترمیم واضافہ ناممکن ہے، جس پر قرآن مجید نے ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لئے مہر لگادی ہے، اور اس کے متعلق یہ صریح حدیث موجود ہے کہ ''انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق'' (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں) [صلی اللہ علیہ وسلم]

www.abulhasanalinadwi.org

علماء کی پہچان

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [الفاطر: ۲۸]

''بیشک اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کے علم والے بندے''

یہ قرآن مجید کی مشہور آیت ہے، سوال یہ ہے کہ علم تو آج دنیا میں بہت عام ہے پھر بھی خدا کا خوف نہیں پیدا ہو رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں علم یا علماء سے دنیا کا علم یا مجرد علم (جس کا کوئی مقصد نہ ہو یا غلط مقصد ہو) ہرگز مراد نہیں، اس سے مراد علمِ دین ہے، خدا کی صفات کا علم ہے، اور کائنات کا وہ علم بھی اس میں شامل ہے جس میں زمین و آسمان، دنیا کی تمام مخلوقات اور قدرت کے عجائبات پر غور کرنے کی دعوت قرآن مجید نے بار بار دی ہے، اس لئے کہ یہ علم ہمارے اندر خدا کی کبریائی اور عظمت و قدرت کا احساس اور اس کے نتیجہ میں اس کا خوف اور شرم و لحاظ پیدا کرتا ہے، اس سے یہ بھی ایک نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب خشیت ہے، علم نہیں، علم اس کا ذریعہ اور واسطہ ہے، اگر کسی کو (اور ایسا بارہا ہوا ہے) علم کی کمی یا عدم علم کے ساتھ یہ دولت

www.abulhasanalinadwi.org

حاصل ہے، تو وہ اس عالم سے بدرجہا بہتر ہے جس کو معلوم سب کچھ ہے لیکن عمل کسی بات پر نہیں، اس سے ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے وہی علم مراد ہے جو ہمارے اندر خدا کا خوف پیدا کرے، نہ کہ خدا کی بغاوت اور غفلت وسرکشی.

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں علم کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی جابجا ترغیب دلائی گئی ہے، وہ خدا کی قدرت ورحمت، اس کی صفات کاملہ، اس کے احکام وقوانین اور انبیاء کی تعلیمات کا علم ہے، دراصل یہ وہ صحیح اور معیاری علم ہے، اور علم کہلانے کا مستحق ہے، جس سے خدا کا خوف (اگر نیت میں شروع ہی سے کھوٹ نہ ہو) لازماً پیدا ہوتا ہے، ورنہ یوں تو قرآن مجید کے بارے میں بھی آیا ہے اور خود ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْراً وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْراً﴾ [البقرة: ۲۶] ''اللہ تعالیٰ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے.''

لیکن آگے صراحت کر دی گئی تاکہ وہ باریک فرق واضح ہو جائے جس سے اکثر لوگ خلجان میں مبتلا ہونے لگتے ہیں. ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۶] ''اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر فسق وفجور میں پڑے رہنے والوں کو''

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت کی طلب نیت کی درستی اور سلامتیٔ فطرت کے بغیر علم کا صحیح استعمال، مقصدِ اصلی کا حصول اور منزل تک رسائی ممکن نہیں، اور یہ وہ چیز ہے جس میں دنیا کے علم اور دین کے علم، کسی میں تفریق نہیں کہ اس کے ساتھ دونوں ناقابل اعتبار ہیں جیسا کہ ہمارا آئے دن کا تجربہ ہے.

www.abulhasanalinadwi.org

اولیاء اللہ کی صفات

﴿أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ [یونس: ۶۲]

”یاد رکھو! بیشک خدا کے دوست وہ ہیں جن پر کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غم کرتے ہیں، جو لوگ ایمان لائے اور خدا کا لحاظ وادب کرتے ہیں۔“

اولیاء اللہ کا وصف قرآن مجید میں جہاں جہاں بیان کیا گیا ہے، اس میں سب سے نمایاں یہ بات بتائی گئی ہے، کہ ان کو نہ کسی چیز کا خوف ہوتا ہے نہ غم، خوف کی ہزاروں قسمیں ہیں، اور غم کی بھی ہزاروں قسمیں ہیں، لیکن غور کیجئے تو انسانی زندگی کی ساری پریشانیاں آپ کو ان ہی دو چیزوں کے گرد گھومتی ہوئی نظر آئیں گی، یا مستقبل کا انجانا خوف یا کسی فوت ہونے والی کسی چیز کا غم، آپ اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

جتنی تفصیل میں جائیں گے، اپنے کو ان دو چیزوں (خوف یا غم) سے باہر نہ پائیں گے، کسی نے غلط نہیں کہا ہے کہ ع

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

لیکن اللہ کے وہ مقبول ومحبوب بندے جن کو ہم اولیاء اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، ان دونوں فکروں اور ان کی تمام قسموں سے آزاد ہوتے ہیں.

خدا سے صحیح تعلق، آخرت کی فکر، شوقِ لقاء، ان کو دنیا کی تمام فکروں، دور دراز کے اندیشوں اور ہر قسم کے خوف وحزن سے ہمیشہ کے لئے نجات بخشتا ہے، اس موقع پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ ایک بلند مقام ہے جو ہر شخص کو میسر نہیں آسکتا، قرآن مجید اسی آیت میں اس بات کا جواب دیتا ہے اور ولایت کی پہچان بتاتا ہے. ﴿اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور تقوے کی زندگی گذاری''

یعنی یہ مرتبہ ایسا نہیں ہے جس کا دروازہ بند ہو چکا ہو، یہ ہر صاحب ایمان کے لئے کھلا ہوا ہے، تقویٰ کے اصل معنی ہیں، پاس، لحاظ اور شرم، یعنی ہر کام میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا لحاظ رکھنا اور اس سے شرم کرنا، تقویٰ کی اصل روح ہے، کثرتِ عبادت، نوافل واوراد، اور معمولات سب کی روح اور جان یہی ہے کہ خدا کا خیال ہر وقت دل میں رہے، اور ہر قدم اٹھاتے وقت آدمی یہ حساب لگائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا یا ناراض ہوگا، دنیوی ترغیبات کے خارزار میں دامن سمیٹ کر اپنے کو بچا کر چلنا بس یہی تقویٰ ہے، کوئی رقم ہاتھ آرہی ہو تو یہ سوچنا اس میں کہیں گڑبڑ تو نہیں ہے، کسی کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد یہ خیال

www.abulhasanalinadwi.org

کرنا کہ اس میں کوئی کھوٹ یا اپنی ذاتی غرض اور احسان جتلانے اور کسی اور موقع پر اس سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ تو نہیں ہے، عبادات اور اعمال میں ریا اور نمائش تو نہیں ہے، یہ ذوق اور ملکہ اگر کسی مومن میں ہے تو حقیقتاً وہ متقی ہے، اور ولایت کے اس مقام بلند پر فائز ہے جہاں پر پہونچنے کے بعد انسان کو وہ سکینت وسرور حاصل ہوتا ہے کہ اس زندگی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، امام ابن قیمؒ نے ایک جگہ اپنے استاد ومربی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

"ان فی الدنیا جنة، من لم یدخلها، لم یدخل جنة الآخرة"

"یعنی دنیا میں (مومن کے لئے) ایک ایسی جنت ہے، جو اس میں یہاں داخل نہیں ہوا وہ آخرت کی جنت سے بھی محروم رہے گا" یہ قلب کے سکون، روح کی مسرت، صبر وقناعت، ایثار وسخاوت، اور محبت وشفقت کی جنت ہے، ایک دوسرے موقع پر انھوں نے ارشاد فرمایا کہ "میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں ہے، جہاں جاؤں گا وہ میرے ساتھ ہے۔"

دنیا کو "شداد کی جنت" بنانے والوں نے آج دنیا کو سکون وراحت کی دولت سے محروم کر دیا ہے، اور اس کے دامن کو کانٹوں سے بھر دیا ہے، اور اس مشکل کا حل آج صرف اسی مرد حق آگاہ کے پاس ہے، جو ایک خدا سے دل لگانے اور اس پر مکمل بھروسہ کرنے کے بعد، دوسرے تمام دروازوں اور چوکھٹوں پر سر پھوڑنے سے آزاد ہو جائے، ؎

نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

www.abulhasanalinadwi.org

تقویٰ کیا ہے؟

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔''

آیت بالا میں ہم کو تقویٰ اور خدا کے خوف کا حکم دیا گیا ہے، اور ایمان پر خاتمہ کی اہمیت بتائی گئی ہے، تقویٰ کیا ہے، اور خدا کا خوف کسے کہتے ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلی اور اچھی بات وہی ہے جو قرآن مجید نے آگے بیان کی ہے یعنی حسن خاتمہ کی فکر اور سوء خاتمہ کا خوف اگر کسی پر غالب آجائے تو اس میں تقویٰ کی وہ شان پیدا ہو سکتی ہے جس کو ''حق تقاته'' فرمایا گیا ہے......ایک حدیث میں اسلام کے ''صراط مستقیم'' کی بہت واضح اور بلیغ تمثیل بیان کی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس سے ہمیں اندازہ ہوسکتا ہے کہ تقویٰ کی حقیقت اور روح کیا ہے۔

ترمذی، نسائی اور مسند احمد (یہ حدیث کی مستند کتابیں ہیں) میں مختلف طرق سے یہ حدیث آتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان کی کہ یہ ایک شاہراہ ہے جس کے دونوں طرف دیواریں ہیں، جن میں دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، راستہ کے دروازے پر ایک منادی کرنے والا ہے جو کہتا ہے: لوگو! سب کے سب اس راستہ میں داخل ہو جاؤ، اور کج روی سے باز رہو، راستے کی فصیل پر بھی ایک داعی ہے، جب کوئی شخص ان دروازوں کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تیری خرابی ہو، اس کو مت کھول، اس لئے کہ اگر تو نے اس کو کھولا تو اسی میں داخل ہو جائے گا، پس یہ راستہ اسلام ہے، اس کے دونوں طرف کے دروازے اللہ تعالیٰ کے حدود ہیں، یہ کھلے ہوئے دروازے حرام اور ناجائز باتیں ہیں راستہ کے شروع میں جو منادی ہے، وہ خدا کی کتاب ہے، اور دیوار پر جو منادی ہے وہ اللہ کا واعظ ہے، جو ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے۔''

ایک دوسری روایت میں تقویٰ کی ایک اور آسان اور قابل فہم تشبیہ بیان کی گئی ہے، ''حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ سے تقویٰ کے متعلق دریافت فرمایا: تو انھوں نے فرمایا: کہ کیا آپ کسی خاردار جھاڑیوں والے راستے سے گزرے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ''ہاں'' انھوں نے پوچھا کہ پھر اس وقت آپ نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا کہ میں دامن سمیٹ کر احتیاط کے ساتھ قدم رکھتا

www.abulhasanalinadwi.org

تھا انھوں نے کہا کہ بس یہی ''تقویٰ'' ہے،[ابن کثیر]

''تقویٰ''، محض ڈر یا محض شرم کے معنی میں نہیں آتا، اس میں درحقیقت وہ ساری باتیں شامل ہیں، جن کو ہم خوف، پاس، لحاظ، احتیاط، شرم اور پرہیز وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، کبھی بندہ خدا کے خوف سے گناہ سے باز رہتا ہے، کبھی خدا کی شرم اور پاس کا غلبہ، خوف سے زیادہ ہوتا ہے، کبھی شکر و احسان شناسی کے جذبات اس پر غالب ہوتے ہیں، اور کبھی جہنم کی آگ کا خوف اس کو بیدار و ہوشیار رکھتا ہے، اور کبھی موت کا خیال بہت سی چیزوں سے مانع بنتا ہے، اس لئے یہ ساری باتیں تقویٰ کے وسیع مفہوم میں شامل ہیں.

آیت کے دوسرے جز میں خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مرنے سے پہلے اسلام اور ایمان کی دولت کا ہم انتظام کرلیں، ایسا نہ ہو کہ رخصت کی اس نازک گھڑی میں اس دولت سے ہمارا ہاتھ خالی ہو، اور وہی سکہ ہمارے پاس نہ ہو جو عالم آخرت میں چلتا ہے، اسی لئے اس میں مبالغہ اور تشدید کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے. یعنی ہرگز ہرگز ایسا نہ ہو کہ موت ایسی حالت میں آئے کہ اسلام کی دولت اور حقیقت سے محرومی ہو، اور پھر اس وقت کچھ نہ ہو سکے.

www.abulhasanalinadwi.org

نفس مطمئنہ

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (الفجر: ۲۷/۳۰)

''اے اطمینان والی روح لوٹ جا اپنے رب کی طرف، اس حالت میں کہ تو اس سے خوش اور راضی ہے، اور خدا تجھ سے خوش اور راضی ہے، پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

یہ سورۂ ''والفجر'' کی آخری آیت ہے جس میں پاکیزہ روح کے (جس کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور شرح صدر کی دولت سے نوازا ہے) سفر آخرت کا تذکرہ ہے، اور بہت محبت بھرے اور شفقت آمیز انداز میں، اس لئے کہ یہ روح جس جسم اور قالب میں رہی تھی، اس نے دنیا میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کی تھیں، خدا

www.abulhasanalinadwi.org

کی رضا وخوشنودی کے لئے بہت سی ناگوار باتوں اور تلخیوں کو صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا تھا، جب لوگ اس کے سامنے دادِ عیش دے رہے تھے، اس وقت اس نے اپنے نفس کی لگام شریعت اور حکمِ الٰہی کے ہاتھ میں دیدی تھی، دل کی احتیاط بھی کی تھی، نگاہ کی بھی اور ہاتھ، پیر کی بھی، آج انعام لینے کے لئے دنیا سے اس کی رخصتی کا وقت ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہورہا ہے کہ ''اے نفس مطمئنہ! آج تو اپنے پروردگار کے پاس (جس نے تجھے گناہ سے توبہ تک، اور توبہ سے اطمینان ویقین کی منزل تک پہونچایا) اس حالت میں حاضر ہو کہ تو خدا سے راضی، اور تیرا خدا تجھ سے راضی ہے، پس جا شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔''

قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک نفس امّارہ، دوسرے نفس لوّامہ، تیسرے نفس مطمئنہ، جس کا بیان ابھی گذرا ہے، نفس امّارہ کے معنی ہیں برائی کا حکم دینے والا، لوّامہ کے معنی ہیں ملامت کرنے والا، دونوں جگہ تشدید کا صیغہ زور دینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی بہت برائی کا حکم کرنے والا، اور اسی طرح بہت ملامت کرنے والا۔

نفس امّارہ کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں گذرا ہے، اور بہت خاص اور البیلے انداز میں، امرأۃ العزیز یعنی شاہ مصر کی بیوی کے ساتھ شاہی محل میں جو قصہ ہوا وہ سب کو معلوم ہے، جب صفائی کا مرحلہ آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بے گناہی ثابت ہوئی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے عبودیت

www.abulhasanalinadwi.org

کے اظہار کے طور پر فرمایا۔

﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ، اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [یوسف: ۵۳]

''اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا، بلاشبہ نفسِ انسانی برائی کا بیحد حکم دینے والا اور برائی کی طرف راغب کرنے والا ہے، سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، بیشک میرا رب معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

بعض مفسرین اور علماء اس قول کو امرأۃ العزیز کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اندازِ کلام، شانِ عبودیت اور اپنے مضمون و مفہوم کے اعتبار سے ایک نبی ہی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

نفس لوّامہ کا ذکر سورہ ''قیامۃ'' کے شروع میں آیا ہے:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ﴾ [القیامۃ: ۲۰۱]

''میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہوں نفس لوّامہ، یعنی ملامت کرنے والے نفس کی''

یہ تینوں مرحلے اسی ترتیب سے انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں، اصلاح نفس سے پہلے اس کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس کو نفس امّارہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس میں گناہ کی رغبت ہوتی ہے، اور دل میں بار بار برائیوں کا تقاضہ

www.abulhasanalinadwi.org

اور ابھار پیدا ہوتا ہے، کبھی کبھی اس کے ساتھ، اور کبھی اس کے بعد نفس لوامہ کا مرحلہ آتا ہے، جب انسان کا ضمیر اس کو برے فعل پر بار بار ملامت کرتا ہے، ٹوکتا ہے اور چٹکیاں لیتا ہے، اس کا تجربہ بھی ہم میں سے ہر شخص کو کم وبیش ضرور ہوگا، اگر وہ اس مرحلہ سے بھی کامیابی کے ساتھ گذر گیا تو پھر.....اس مجاہدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو اطمینانِ قلب، شرح صدر، یقین، اعتماد علی اللہ اور تعلق باللہ، صبر وشکر اور تسلیم ورضا کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے، یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ اس طرح کہا گیا ہے،

﴿أَلاَ اِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''یاد رکھو! کہ اولیاء اللہ کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ کسی چیز کا غم کرتے ہیں''

امام ابن القیمؒ نے امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''ان فی الدنیا جنة، من لم یدخلها لم یدخل جنة الآخرة'' کہ اس دنیا میں ایک جنت ہے جو یہاں رہ کر اس میں داخل نہ ہوا، وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہ ہوگا، یہ جنت وہی اطمینانِ نفس کی دولت ہے جو اخلاص، کسی قدر صبر اور نفس کشی، حسن نیت، ایمان واحتساب، اور خدا کی یاد اور ذکر سے حاصل ہوتی ہے، اور ہر مومن اپنے حالات اور ماحول میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آخرت کی جنت سے پہلے دنیا کی اس جنت میں داخل ہوسکتا ہے، نفس مطمئنہ کا مطلب دراصل وہ نفس ہے، جس نے خدا کی یاد، خدا کی حضوری اور اس کی رضا وخوشنودی سے پورا سکون پالیا ہو، اور بڑی سے بڑی لالچ اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

اطمینانِ قلبی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس موقع پر "راضیة مرضیة" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی اس حالت میں اپنے رب (جس نے شروع سے لے کر آخر تک تیری پرورش کی اور اس بلند مقام تک پہونچایا) کی طرف واپس ہو کہ تو بھی راضی ہو اور تیرا خدا بھی راضی، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول اور خاص بندوں کا وصف قرآن مجید میں انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ [المائدة:۱۱۹]

''اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں'' یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس وقت جب وصال کا وقت ہے اور بندہ کی مزید دلداری اور ناز برداری مقصود ہے، اس کی رضا کا لفظ پہلے آیا ہے، اس سے تسلیم و رضا، محبت و جاں نثاری اور اس نسبت الٰہی کی ترجمانی و عکاسی بھی ہوتی ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت اللہ کے مخلص و مقبول بندوں میں پورے جوش و کمال پر ہوتی ہے، اور اطمینان نفس کی وہ کیفیت جو ان کی پوری زندگی میں جلوہ گر تھی، اس لمحہ میں نقطۂ عروج پر پہونچ جاتی ہے، اس کے بعد اللہ کے ان خوش نصیب بندوں کے ساتھ شمولیت (جو ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے) اور جنت میں داخلہ میں کوئی فاصلہ اور حجاب باقی نہیں رہتا اور یہ نوید جانفزا اس کو رخصت ہونے سے پہلے ہی مل جاتی ہے، تفسیروں میں آتا ہے کہ مومن کی روح قبض کرتے وقت فرشتے یہی آیت پڑھتے ہیں اور اسی پیام بشارت پر اس کی روح بہت سہولت اور سبک روی کے ساتھ نکلتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اطمینان قلب کی دولت

(۱)

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ [الرعد:۲۸]

''یادرکھو! اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے''

اس زمانے میں ہر جگہ بے چینی اور بیقراری ہے، غریب وامیر، مرد وعورت، جوان اور بوڑھا، ہرایک بے اطمینانی اور بے چینی محسوس کررہا ہے، اس بے چینی اور بیقراری کو نہ دولت دور کرپارہی ہے، نہ عزت وقوت ختم کررہی ہے، نہ حسن وجمال اور خوش خلقی سے اطمینان نصیب ہورہا ہے، ہر ملک، ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد اپنی زندگی میں ایک کسک اور بے چینی سے دوچار ہے، آپ کسی امیر سے امیر آدمی سے پوچھئے جس کے یہاں اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے، تو وہ ایک انجانی بے چینی اور دل کی بیقراری کا شکوہ کرے گا اور اندرونی فکر اور

www.abulhasanalinadwi.org

کھا جانے والے غم کا رونا روئے گا، آپ کسی بڑے سے بڑے عہدے پر متمکن آدمی سے اس کے دل کا حال پوچھیں گے تو وہ صرف سکون واطمینان کی کمی کا ذکر کرے گا، اور جو لوگ ذکر نہ کریں گے تو وہ خود اندر ہی اندر اس کسک اور بے چینی سے گھل رہے ہونگے، آپ غور کیجئے! کہ زندگی کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر نعمت سکون واطمینان، چین وقرار ہی سے لوگ کیوں محروم ہیں، اور ایک انجانا غم کیوں ان کو گھلائے جارہا ہے؟ کوئی موت وبیماری سے، کوئی غربت وافلاس سے، کوئی خانگی پریشانیوں سے، کوئی کسی فکر سے، کوئی کسی غم سے نڈھال کیوں ہے؟ اور اس کا دل مردہ کیوں ہوتا جارہا ہے؟ اب سے صدیوں پہلے زندگی کے یہی لیل ونہار تھے، دولت بھی تھی، غربت بھی تھی، لوگ مرتے بھی تھے، صحیح وتندرست بھی رہتے تھے، خانگی پریشانیاں بھی آتی تھیں، اور بیماریاں بھی ہوتی تھیں، لیکن دلوں میں سکون تھا، اطمینان تھا، اس کی وجہ کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ زندگی کی یہ نعمت بے بہا دنیا کی دولت سے حاصل نہیں ہوتی، یہ صرف اللہ کے خوف، اللہ کی یاد اور اس پر بھروسہ سے ملتی ہے، کسی فرد یا جماعت کی اجارہ داری میں نہیں ہے، جو بھی اللہ کا نام لیتا تھا، صبح وشام اللہ کو یاد کرتا تھا، اس پر بھروسہ کرتا تھا، خدا اسکو اس نعمت سے نوازتا تھا، تو اس کو اپنی جھونپڑی میں اس نعمت کا مزہ آتا تھا، غریب کو اپنی غربت میں اس کا لطف محسوس ہوتا تھا، امیر کو اپنے ایوان امارت میں اسکی حلاوت محسوس ہوتی تھی، بیمار کو اپنی بیماری میں سکون ملتا تھا، اور جب اس کو دنیا چھوڑ کر اور آرام وراحت سے منہ

www.abulhasanalinadwi.org

پھیر کر جانا ہوتا تھا تو مسکراتے ہوئے "فزت ورب الکعبة" (ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا) پڑھتا ہوا جان جان آفریں کے سپرد کرتا تھا اور اس کے عزیز واقارب، دوست، واحباب اس کو رخصت کرتے تھے تو اس حال میں کہ ان کا دل مطمئن ہوتا تھا.

اُس دور کی پوری سوسائٹی اس نعمت سے سرفراز کی گئی تھی، سب لوگ اپنے مالک کو یاد کرتے رہتے تھے، اور اس پر بھروسہ کرتے تھے، یہ ایک نسخۂ کیمیا ہے، آج بھی جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کرلے، یہ نسخہ نسخۂ شفا ثابت ہوگا، جو بھی بے قرار ہو، خواہ وہ بیقراری کسی بھی قسم کی ہو اس دوا کو استعمال کرلے یعنی اللہ کا نام لے، اس کو یاد کرے، اس کا ذکر کرے، اس سے لَو لگائے، اس پر بھروسہ کرے، اور جو مانگے، اسی سے مانگے، تو اللہ اس عمل سے اس کی ہر طرح کی بے قراری اور بے چینی دور کردے گا، اس پر صدیوں تجربہ کیا گیا اور سو فیصدی کامیاب رہا ہے، اور کیوں نہ کامیاب ہو، جس نے ہم کو، آپ کو پیدا کیا، اور جس کو ماں باپ سے زیادہ ہم سے محبت ہے، وہی یہ نسخہ بتا رہا ہے، اور اس کے سو فیصدی فائدہ کی ضمانت لے رہا ہے.

www.abulhasanalinadwi.org

اطمینانِ قلب کی دولت

(۲)

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد:۲۸]

''خوب یادرکھو! کہ دل اللہ ہی کی یاد سے سکون واطمینان پاتے ہیں''

مادیت کی کچلی ہوئی، اغراض ونفسیات کی ستائی ہوئی، اور نئے نئے نعروں اور ناکام فلسفوں سے اُکتائی ہوئی دنیا کے لئے قرآن ایک آسان راستہ تجویز کرتا ہے، جس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں، وہ اہل ایمان کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اطمینان قلب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل خدا سے وابستہ ہیں، آگے پھر مزید زور دینے کے لئے ارشاد ہوتا ہے، ''خوب سمجھ لو کہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر ہی سے سکون، اطمینان پاتے ہیں''

ذکر الٰہی کا مطلب خدا سے سچا اور گہرا تعلق، خدا کی کامل اطاعت اور کسی

www.abulhasanalinadwi.org

وقت اسکی یاد سے غافل نہ ہونا، اس پر مکمل بھروسہ رکھنا، اور اسی کو مشکل کشا، حاجت روا اور کارساز سمجھنا، اور اس سے دل وجان سے زیادہ محبت کرنا ہے، یہ صفت جس شخص میں جس درجہ ہوگی، اطمینان قلب بھی اسی درجہ پر ہوگا۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے قدیم زمانہ کے ایک بزرگ کا واقعہ مفید ہوگا، جنھوں نے شاید اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانے اور ذہن کو اسی طرف متوجہ کرنے کیلئے وہ تاریخی جملہ کہا،

''ایک صاحب نے ایک موقع پر ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق دنیا کا ہر کام ہو رہا ہے! ان صاحب کو اس جواب پر بڑی حیرت ہوئی کہ ایسے خدا رسیدہ بزرگ ہو کر اس قدر تعلّی کی بات کرتے ہیں، انھوں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا، تو انھوں نے کہا کہ اصلی بات یہ ہے کہ میں نے اپنی مرضی خدا کی مرضی کے تابع کر دی ہے، اس لئے جو کچھ ہوتا ہے گویا وہ میری مرضی کے مطابق ہی ہوتا ہے''۔

سکونِ قلب اور مسرت کے حصول پر موجودہ لٹریچر میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، خوشی (Happiness) مغربی ادبیات کا خاص محور اور مرکزی نقطہ ہے، لیکن اس کے حصول کی جو ترکیبیں اور راستے اہل مغرب نے تجویز کئے ہیں، ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور قرآن مجید کا ارشاد بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے، کہ جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

دولت کی فراوانی اور مادی وسیاسی عروج کی انتہا پر پہونچ کر بھی آج جو

www.abulhasanalinadwi.org

جاں گداز اور روح فرسا بے چینی پورے یورپ وامریکہ میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا ایک ادنیٰ نمونہ پتّیوں کی غیر معمولی کثرت، جنون کے واقعات میں روز افزوں اضافہ، خودکشی وخود فراموشی، بے خوابی اور ایک انجانا اور غیر مرئی خوف ہے جس نے اس پورے خطہ سے (جسے بعض سادہ لوح جنت ارضی سمجھتے ہیں) امن و سکون کی دولت چھین لی ہے۔

آج ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک شخص سارے وسائل، ہر طرح کی سہولتیں اور سامانِ راحت رکھتا ہے، پھر بھی بے چین ہے اور دوسرا شخص تمام وسائل سے محروم ہوتے ہوئے بھی، بلکہ فقر و فاقہ میں رہ کر بھی پوری طرح خوش و مطمئن ہے، وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ انسان ایک عاجز و درماندہ انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف و کمزور بنایا ہے، اس کو ضرورت ہے کہ ہر لمحہ ایک برتر و بالاتر، اور شفیق و مہربان پروردگار کے ''سایہ رحمت'' میں رہے اور اس سایۂ رحمت میں رہتے ہوئے اس کی ہدایت و تعلیم کے مطابق زندگی کی ساری سرگرمیوں میں حصہ لے اور زندگی کی تمام ضروریات پوری کرے، اس نے جو بار امانت اٹھایا ہے اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ہر دم حمایت و عنایت حاصل ہو اور اس کو اس کا پورا احساس اور ادراک بھی ہو، آپ تصور کیجئے کہ اس احساس و یقین کے بعد کسی کے اندر بے اطمینانی، اور روحانی بے کلی پیدا ہو سکتی ہے؟

اس کی روح کی یہ وہ پیاس ہے جو نہ کسی شجر و حجر سے پوری ہو سکتی ہے، نہ خدا کو چھوڑ کر کسی اور ہستی سے، نہ دولت، عزت اور شہرت سے، نہ جسمانی

www.abulhasanalinadwi.org

لذت سے، نہ دنیا کی ظاہری اقبال مندی اور دور دورہ سے جس کو قرآن مجید میں یہ کہا گیا ہے۔

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [آل عمران:۱۹۶، ۱۹۷]

''تم کو ہرگز فریب میں نہ ڈالے دور دورہ ان لوگوں کا جنھوں نے ملکوں میں کفر کیا، تھوڑی دیر کی چاندنی ہے پھر ان کا اصل ٹھکانا جہنم ہوگا اور بری آرام گاہ ہے۔''

لیکن قرآن مجید نے اسی آیت سے پہلے اس کا آسان ذریعہ اور راستہ بھی تجویز کر دیا ہے، اب یہ اس کے بندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر چل کر اپنی منزل مقصود پر پہونچ جائیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ [الرعد: ۲۷]

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے، اور اپنی طرف اس کی رہنمائی ودستگیری فرماتا ہے جو اس کی طرف (صدق دل سے) متوجہ اور رجوع ہو۔''

یہاں نہ کسی بڑے مجاہدہ اور قربانی کا ذکر ہے، نہ کسی علم وفن میں کمال حاصل کرنے کا مطالبہ ہے، اطمینان قلب کی یہ لازوال دولت اور مرنے کے بعد جنت کی روحانی نعمتیں اور دیدار الٰہی کی سب سے بڑی اور آخری نعمت تک پہونچنے کا راستہ ''انابت'' سے ہوکر گزرتا ہے یعنی سچے اور ٹوٹے ہوئے دل سے

www.abulhasanalinadwi.org

خدا کی طرف متوجہ ہونا اپنی کمزوری و بے بسی، عاجزی ولاچاری کا پورا تصور کرتے ہوئے اس کے باب کرم پہ التجا کرنا، جو صدق دل سے خلوص کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوگا، اس کے راستے کی رکاوٹیں آہستہ آہستہ خود بخود دور ہوتی جائیں گی، لیکن اگر کسی کا دل ہی اس طرف سے ہٹا ہوا ہے یا اس میں طلب ہی نہیں ہے، وہ اس کو حقیر و کمتر سمجھتا ہے، تو اس کے لئے کوئی وعدہ نہیں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دعوت الی اللہ کے شرائط

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [حم سجدة: ۳۳]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اچھے کام کئے، اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

یہ چوبیسویں پارے میں سورہ حم سجدہ کی ایک آیت ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے اچھی دعوت، سب سے اچھی تبلیغ اور سب سے افضل پیغام خدا کی طرف بلانا ہے، خود اس دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، اور برملا اور واشگاف طریقہ پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

دعوت الی اللہ پر ہم تھوڑی دیر کے لئے غور کریں تو اس کی کئی قسمیں نظر

www.abulhasanalinadwi.org

آئیں گی، ایک دعوت الی اللہ وہ ہے جو نیت کے فتور یا ذہن کی کجی کی وجہ سے دیکھنے میں دعوت الی اللہ نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں دعوت الی الدنیا ہے، جو صرف زبان کی حد تک محدود ہے، عمل سے اس کو کوئی تعلق نہیں، ایک وہ ہے جس میں ترک دنیا سے کم درجہ میں دنیاوی ذمہ داریوں اور حقوق العباد کی حق تلفی پائی جاتی ہے، قرآن مجید ان سب دعوتوں کی نفی کرتا ہے اور صرف اس دعوت الی اللہ پر مہر تصدیق لگاتا ہے جو:۔

۱۔ خالص خدا کے لئے ہو.

۲۔ جس کے ساتھ عمل کا تصدیق نامہ بھی ہو.

۳۔ جس میں اعتدال اور توازن ہو.

۴۔ جس میں بزدلی اور منافقت کے بجائے اخلاقی جرأت اور خدا کی دی ہوئی قوت ہو.

۵۔ جو عقیدہ کی خرابی اور ذہن کی کجی سے پاک وصاف ہو.

یہ ایک پیمانہ یا تھرمامیٹر ہے جس سے ہر مسلمان جو دعوتِ دین کے فرض کو ادا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی صحت وسقم اس پر واضح ہو جائے، اپنے کام اور اپنے مقام کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے، اور اپنے کو ناپ سکتا ہے، اس لئے کہ اس مختصر آیت میں کام کی عظمت کا بھی اشارہ ہے، اس کی جامعیت اور عملیت کا بھی ذکر ہے، اخلاقی جرأت اور قلبی ولسانی قوت کا بھی

www.abulhasanalinadwi.org

تذکرہ ہے، اور سچائی اور اخلاص نیت کی اہمیت بھی اس میں پوری طرح واضح ہے، اس لحاظ سے یہ آیت ہر مسلمان اور ہر مبلغ وداعی الی اللہ کے لئے روشنی کا مینار، عمل کا پیمانہ اور کردار واخلاق کی جانچ کا بہترین خدائی آلہ ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلاً﴾ اور اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نیک کاموں میں تعاون

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

[المائدة: ۲]

''ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو نیکی اور تقویٰ کے
کاموں میں اور تعاون نہ کرو گناہ اور سرکشی کی باتوں میں''

قرآن مجید کی یہ آیت ہمارے لئے عبرت وموعظت کا تازیانہ ہے، آج مسلمان جس جہاں میں ہیں اس کو سامنے رکھئے، تو اس آیت کا پورا مفہوم اور اس کی اہمیت وضرورت آپ کے سامنے آجائے گی.

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آج اس کے برعکس ہورہا ہے، زندگی کے دوسرے شعبوں کو چھوڑ کر صرف ایک ادب وصحافت اور نشر واشاعت کے شعبہ کو لے لیجئے تو آپ کو اس آئینہ میں اپنی صورت صاف نظر آجائیگی.

www.abulhasanalinadwi.org

اپنی کتابوں اور دینی رسالوں کے ساتھ مسلمان گھرانوں اور خاندانوں میں جو بے اعتنائی اور بعض اوقات تحقیر کا معاملہ کیا جارہا ہے، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہم میں سے ہر شخص کو ہوگا، دوسری طرف مفسد اخلاق رسالے اور اخبار ہیں، جن کی تعداد اشاعت اور مقبولیت بڑھتی جارہی ہے اور ان کے سیلاب بلا خیز سے آج شاید ہی کوئی دینی گھرانہ پوری طرح محفوظ ہو.

یہ صحیح ہے کہ یہ رسالے شاندار اور جاذب نظر ہوتے ہیں، سنسنی خیز ہوتے ہیں، اور اس میں ہر طرح کی تفریح و دلچسپی کا سامان ہوتا ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں دنیا بھر کی معلومات اور خبریں بھی ہوتی ہیں.

لیکن کیا محض اتنی بات اس کے لئے کافی ہے کہ ہم اس کے ساتھ تعاون کریں اور ان پرچوں اور رسالوں پر ہماری باعفت خواتین اور نئی نسل کا روپیہ، پیسہ اور وقت، دماغ و اعصاب اور قوائے ذہنی و عملی سب برباد ہوں، قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ خواہ تمہیں ایسی باتیں اچھی لگیں تب بھی تمہارا جھکاؤ ہرگز اس طرف نہ ہونا چاہئے.

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ﴾ [التوبة: ۵۵]

''دیکھو! ان کے مال و اولاد کہیں تمہارے دل کو لبھانے نہ لگیں''

ایک جگہ آتا ہے:

﴿وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾ [البقرة: ۲۲۱]

www.abulhasanalinadwi.org

''ایک غلام مومن، مشرک سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ بہت
اچھا لگ رہا ہو، وہ لوگ تو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں
اور اللہ جنت اور اپنے حکم ومشیت سے مغفرت کی طرف
دعوت دیتا ہے۔''

ان آیتوں کے بعد بھی اور ایمان اور اسلام کے مفہوم سے واقف ہوتے ہوئے (جس کی بنیاد ہی ''تواصی بالحق وتواصی بالصبر'' پر ہے، یعنی ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہنا اور اس مفہوم کو ذہنوں میں ہر وقت تازہ اور اپنے عمل سے ہر وقت زندہ رکھنا) اس خدا بیزار لٹریچر، مفسد اخلاق ادب وصحافت، گندے پرچوں، عریاں رسالوں کی کوئی گنجائش ہمارے امت محمد ﷺ کے افراد میں ہونی چاہئے؟

مضمون کے شروع میں جو آیت ہے اس میں تو بالکل صراحت کے ساتھ حکم کے صیغہ میں کہہ دیا گیا ہے کہ مسلمانو! بھلائی وتقویٰ کے کاموں میں (جس میں یہ ساری دینی کتابیں اور دینی رسالے آجاتے ہیں) تعاون کرو، ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ اور گناہ وسرکشی کے کاموں سے اپنے کو بچاؤ، یہ آیت ہمیشہ سے روشنی کا مینار ہے، لیکن ادب وصحافت کے اس دور میں اس کی ضرورت اور اہمیت، اس ''محاذ'' کی نزاکت، اور کھل کر سامنے آگئی ہے۔

وما علینا الا البلاغ.

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے گھر کی فکر کیجئے

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ.﴾ [تحریم: ٦]

''اے وہ جو ایمان لائے، بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔''

ایمان، نفس، اھل نار، ناس ہماری اردو زبان میں برابر بولے جاتے ہیں، باقی الفاظ خالص عربی زبان کے ہیں، جو اردو میں نہیں بولے جاتے، جیسے قوا، وقود، حجارہ، وغیرہ، ان الفاظ کے معنی آپ نے اوپر پڑھ لئے، ''کم'' کے معنی تمہاری یا اپنی.

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچنے اور گھر والوں کو بچانے کا حکم دیا گیا ہے، اور

www.abulhasanalinadwi.org

فرمایا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ انسانوں اور پتھروں سے سلگائی جائے گی، اور وہ ان بدقسمت انسانوں کے لئے ہے جو خدا کے منکر اور اس کے احکام کو نہ ماننے والے ہیں، اور اپنے محسن اور پیدا کرنے والے سے منہ پھیرتے ہیں، اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں.

اس آیت میں حکم ہے کہ آدمی خود اپنی اصلاح کرے، برائیوں کو چھوڑے اور اپنے گھر والوں کو (جن میں بیوی، بچے اور بھائی بند ہیں) اچھائیوں کا حکم کرے، برائیوں سے باز رکھے، اگر کوئی خود نیک بن کر رہتا ہے مگر اپنے گھر والوں سے بے فکر رہتا ہے اور ان کے ایمان کی فکر نہیں کرتا اور ان کے عقیدے درست کرنے میں پہلو تہی کرتا ہے تو وہ حقیقتاً اللہ کی رضا والی زندگی نہیں گزارتا اور اس کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہئے.

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں اور متعلقین کے متعلق سوال ہوگا، شوہر سے بیوی کے متعلق، اور باپ سے بیٹے کے متعلق پوچھا جائے گا."

اس آیت کے پڑھنے کے بعد ہم کو چاہئے کہ ہم اس آیت کے پیش نظر اپنی زندگی بھی ایمان والی بنائیں اور کوشش کریں کہ ہمارے متعلقین بھی ایمان والے بن جائیں تاکہ دوزخ کے عذاب سے ہم سب بچ جائیں.

www.abulhasanalinadwi.org

بقاءِ انفع کا قانون

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾ [الرعد: ۱۷]

''جو جھاگ ہے وہ بیکار چلا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع پہونچانے والی چیزیں ہیں وہ زمین میں باقی رہتی ہیں''

اس آیت میں ایک معجزانہ اور ابدی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے (جس کا تعلق ہر فرد، جماعت اور معاشرہ سے ہے) یہ بقاء اصلح بلکہ بقاء انفع کا وہ فطری قانون ہے جس پر افراد اور جماعتوں کی ترقی کا دارومدار ہے اور جس پر عمل پیرا ہو کر وہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ اپنا جائز مقام حاصل کر سکتی ہیں، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اگر کسی کے جیب ودامن میں انسانیت کے لئے کوئی متاع ہے تو پھر اس کو مایوس ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں، اس کی یہ صلاحیت اور دولت، اس

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے خودراہ کے کانٹے ہٹائے گی اور ترقی کے دروازے کھولے گی، ناممکن اور محال سمجھی جانے والی چیزیں نہ صرف ممکن بلکہ آسان وخوشگوار ہوجائیں گی، قیاسات اور اندازے غلط ثابت ہوں گے، اور مختصر یہ کہ وہ سب کچھ ہوگا، جس کا تصور بھی اس وقت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر انسان خود ہر کمال سے عاری اور ہر ہنر سے خالی ہے اور اس کے پاس لینے کیلئے تو بہت کچھ ہے، لیکن دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو دنیا کے پاس بھی اسکے لئے وقت نہیں ہے، اگر وہ مجبور ہے تو دنیا بھی معذور ہے، وہ اس کے لئے کسی رعایت اور نرمی سے کام نہ لے گی اور اس کو کبھی عزت کی جگہ نہ دے گی.

أما ماینفع الناس (یعنی انسانوں کو فائدہ پہونچانے کی صلاحیت) ایک ایسی صفت ہے، ایسی شرط ہے، جس کا نتیجہ ہمیشہ فیمکث فی الأرض (بقاء دوام) ہی کی شکل میں ظاہر ہوگا، حالات کی ناسازگاری، مخالفین کی کثرت اور بے اثری وناقبولیت کا شکوہ صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کو خود اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا، جو اپنی طرف سے مطمئن نہیں ہوتے، جن کے پاس کوئی کام نہیں ہوتا اور جن کے اندر خود کوئی کمال اور دوسروں کو فائدہ پہونچانے کی صلاحیت نہیں ہوتی.

یہ حقیقی صلاحیت ونافعیت کیا ہے اور کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ اس کو قرآن مجید ہی نے سورۂ یوسف میں بیان کردیا ہے.

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف: ۹۰]

''بیشک جو اللہ کا پاس ولحاظ کرے گا، تقویٰ کی زندگی اختیار

www.abulhasanalinadwi.org

کرے گا اور صبر وعزیمت سے کام لے گا، تو اللہ تعالیٰ محسنین
کا اجر ضائع کرنے والا نہیں ہے۔"

"اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُضِیْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ" کا جملہ اس میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے، اور اس میں دراصل "أما ما ینفع الناس" کی تفسیر بیان کی گئی ہے، احسان اور محسن کا لفظ اردو میں اس مفہوم میں نہیں بولا جاتا جس مفہوم میں عربی میں بولا جاتا ہے، اس کے معنی ہیں کام کو اچھے سے اچھے طریقہ سے انجام دینا اور اس کی سب سے اعلیٰ شکل تک پہونچنے کی پیہم کوشش، مثلاً نماز وعبادت کیلئے حدیث میں آتا ہے، "الاحسان أن تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو (کم از کم) یہ خیال رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

اسی طرح ایک جگہ آیا ہے "صلوا صلاۃ مودع" یعنی ایسی نماز پڑھا کرو جیسے کہ تمہاری آخری نماز ہے، ظاہر ہے کہ اگر کسی آدمی کو یہ یقین ہو کہ یہ اسکی آخری نماز ہے تو وہ انتہائی توجہ، خشوع وخضوع اور کامل انہماک اور ڈر وخوف کے ساتھ اس کو ادا کرے گا اور چاہے گا کہ اس کی یہ نماز ہر طرح کامل ومکمل ہو اور سارے آداب کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہو۔

یہ دونوں چیزیں ہمیں احسان کے صحیح مفہوم کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اس سے نافعیت یا "أما ماینفع الناس" کے اصل مطلب ومعنی کی طرف ہماری رسائی ہوتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بدگمانی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲]

''اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو، کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org

ان آیات میں اللہ نے مسلمانوں کو ایک بہت اہم بات کی طرف متوجہ کیا ہے، جس پر ان کی دینی واخلاقی زندگی کا انحصار ہے اور وہ ہے بدگمانی، تجسس، غیبت وبدگوئی.

ہمارے موجودہ معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تین کمزوریاں اس کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں، اگر یہ تین باتیں درست ہوجائیں تو پورا معاشرہ درست ہوجائے، قیاس کرنا اور محض اندازہ اور اٹکل سے کسی فرد یا جماعت کے متعلق رائے قائم کرلینا بظاہر ایک سیدھی سادی بات معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن مجید نے بعضے گمانوں کو ''گناہ'' قرار دیا ہے، اس لئے اس معاملہ میں بہت احتیاط لازم ہے، اسی طرح کسی کی ٹوہ میں رہنا اور اس کے عیب کے پیچھے پڑنا اور اس سے دلچسپی لینا، ہمارے موجودہ معاشرہ میں پوری طرح موجود ہے.

تیسری چیز غیبت ہے، جس سے آج کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، حالانکہ بہت سے علماء نے غیبت کا کبائر میں شمار کیا ہے، اس کے علاوہ اس کو قرآن مجید میں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے بعد شناعت کا کوئی درجہ نہیں.

ایک صحابی ؓ کے سوال پر کہ غیبت کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضور! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتاً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غیبت

www.abulhasanalinadwi.org

جب ہی ہوگی جب وہ برائی اس کے اندر موجود ہو، اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر یہ بہتان ہوا۔" (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے) [مسلم]

قرآن مجید صرف عبادات کے لئے ہدایات نہیں دیتا، معاملات، اخلاقیات، سماجیات، ہر چیز میں اس کی رہنمائی اور روشنی مکمل اور مفصل ہے.

﴿هُدىً لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

"ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت کی کھلی کھلی نشانیاں اور قول فیصل جو حق و باطل میں تمیز کر دے۔"

❀❀❀

www.abulhasanalinadwi.org

ظلم کا خمیازہ

﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (النحل : ۱۱۸)

''اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔''

آیت بالا میں انسانی زندگی کی ایک بڑی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود کوئی غلطی کرتا ہے اور اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا یا احساس ہوتا ہے تو اس کی سنگینی کا پورا اندازہ نہیں ہوتا، جب تک اس کا کڑوا، کسیلا پھل اس کے سامنے نہیں آتا، اور اس کو ذلت، ناکامی و نامرادی، ذہنی و دماغی انتشار اور قلب و روح کی بے چینی کا سامنا ہوتا ہے یا مختلف حوادث پیش آتے ہیں، تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اس پر ظلم کیا ہے، اور اس کو مصیبت میں ڈالا ہے، حالانکہ یہ مصیبت خود اس کی لائی ہوئی ہوتی ہے، قرآن میں ایک دوسرے موقع پر آیا ہے کہ ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ

www.abulhasanalinadwi.org

﴿وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: ۳۰] ''تم کو جو کچھ تکلیف پیش آئی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔'' یعنی تمہاری بداعمالیوں کا پورا نتیجہ یہاں ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے، تنبیہ کے طور پر کچھ تلخ نتائج تمہارے سامنے آتے ہیں، باقی بڑا حصہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

اس آیت پر جتنا غور کیا جائے گا، آدمی کی اپنی حقیقت اس پر منکشف ہوتی جائے گی، اور خدا کی رحمت وستاری، رزاقی اور عفو ودرگزر کا اس کو قدم قدم پر مشاہدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اگر ان سے کوئی شخص پرہیز نہیں کرتا، پھر اس کی تکلیفوں اور نتائج بد سے پریشان ہوتا ہے، اور دولت، شہرت اور اقتدار وحکومت کے باوجود اس کو ناکامیوں سے واسطہ پڑتا ہے، تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب اس ظلم کا خمیازہ ہے، جو وہ خود اپنے اوپر کر رہا ہے، اگرچہ فی الحال غفلت یا لذت کی وجہ سے وہ اس کو ظلم نہیں معلوم ہوتا، لیکن حلال و حرام اور حدود شرعیہ کی جو میزان اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں دی ہے اس کی روشنی میں وہ نہ صرف اپنے اعمال کو بلکہ اپنے افکار وخیالات اور جذبات وتصورات کو بھی اچھی طرح ناپ تول سکتا ہے،

﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ، وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ [القیامة: ۱۴، ۱۵]

''انسان اپنے نفس کو خوب سمجھتا ہے، خواہ ہزار عذر کرے''

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی سزائیں اوران کی حکمت

﴿ فَجَعَلْنٰهَا عِبْرَةً وَّنَكَالاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

[البقرة:٦٦]

''پھر ہم نے اس کو ایک عبرت انگیز واقعہ بنادیا، ان لوگوں کے لئے جو اس قوم کے معاصر تھے، اور ان لوگوں کے لئے جو بعد کے زمانہ میں آتے رہے اور موجب نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کے لئے''

یہ آیت سورۂ بقرۃ کی ہے اور اس میں بنی اسرائیل کی ایک سخت ترین سزا کے ذکر کے معا بعد ان سزاؤں کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں اور آنے والی نسلوں کو ایسی عبرت حاصل ہو اور ان پر اس درجہ رعب طاری ہو جائے کہ پھر کسی ہاتھ کو وہ حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو، اور جس کے دل میں خدا کا

www.abulhasanalinadwi.org

خوف اور خدا کا ادب ولحاظ ہے، ان کو بھی اس سے نصیحت اور سبق حاصل ہو، یعنی ایک طرف مجرموں اور ظالموں کی ہمت ان سزاؤں کی بدولت اتنی پست ہو جائے کہ وہ پھر کسی جرم کا ارتکاب نہ کریں اور دوسری طرف اہل ایمان اور اہلِ تقویٰ کو ایسی نصیحت اور سبق حاصل ہو کہ ان کے دل میں جرم وگناہ کا خیال بھی نہ آئے۔

جرم وسزا کے باہمی تعلق پر آج کل کی دنیا میں بڑا زور دیا جاتا ہے اور اسلامی سزاؤں کو بے رحمانہ اور ظالمانہ کہا جاتا ہے، لیکن اسلام نے جرم وسزا کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کا تصور آج تک کسی نظام نے پیش نہیں کیا ہے، ظاہر ہے کہ انسان اور کائنات کے خالق نے جو سزا اس کی تجویز فرمائی ہے اور پھر اس کی جو حکمت بیان کی ہے، اس کے مقابلہ میں خود مخلوق کی تجویز کی ہوئی سزا کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ یہ انسان کی حد درجہ نادانی کی بات ہے کہ وہ اپنی تجویز کی ہوئی سزاؤں کو (جن کو وہ بار بار تبدیل کرتا رہتا ہے) اپنے پیدا کرنے والے اور معبود برحق کی تجویز کردہ سزاؤں سے بہتر سمجھے، ان سزاؤں کی کھلی ہوئی یہ برکت ظاہر ہوتی ہے کہ چند سزاؤں کے بعد ہی معاشرے میں ایک خوشگوار تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے، اور اگر ان پر خلوص اور استحکام کے ساتھ عمل کیا جاتا رہے تو پورا معاشرہ امن وامان میں آجاتا ہے، اس کے ایمان افروز واقعات اور نمونوں سے پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، اور کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔

ان سزاؤں کی ایک عجیب خاصیت اور برکت یہ ہے کہ بہت سی کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

ایک بہت واضح مثال سعودی عرب کی ہے، سعودی عرب کے معاشرے کو اسلامی معاشرہ ظاہر ہے نہیں کہا جاسکتا لیکن اس کے باوجود آج وہاں کم از کم جرائم کی شرح اس قدر گھٹ چکی ہے کہ اس کا کسی دوسرے ملک میں تصور بھی آسان نہیں، اس کے برخلاف امریکہ جو اپنے کو تہذیب وتمدن کا امام اور موجد سمجھتا ہے، اس وقت جرم اور گناہ کا سب سے بڑا مرکز ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں آئیڈیل، سوسائٹی اور معاشرے کے انتظار میں نہیں رہنا چاہئے، البتہ جرم وگناہ کے محرکات واسباب کا بند کرنا حتی الامکان ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک طرف ہمارے ذرائع ابلاغ ونشر واشاعت .....دعوت گناہ دیتے ہوں اور ہمارے اسکول اور تعلیم گاہیں ذہنی بے راہ روی کا سامان مہیا کرتی ہوں، دوسری طرف یہ کہا جاتا ہو کہ (دامن تر مکن ہشیار باش) خبردار! دامن تر نہ ہونے پائے. اگر ایک ہاتھ کے کٹنے اور ٹوٹنے سے سیکڑوں، ہزاروں ہاتھ کٹنے اور ٹوٹنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں، ایک پھانسی سے سیکڑوں جانیں ہلاکت سے اور نہ جانے کتنے ناموس عصمت دری سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو ان سزاؤں کو ظلم نہیں، عین رحم کہا جائے گا.

اس کے علاوہ ان سزاؤں کو شریعت اسلامیہ نے اتنے شرائط وقیود اور اتنی گواہیوں اور ایسے طریقہ کار سے محفوظ کر دیا ہے کہ جس سے ناانصافی اور ظلم کا صدور ہی ممکن نہیں، تنہا ایک چیز، قذف (یعنی کسی پر گناہ کی غلط تہمت لگانا) اور اس کی سزا ایک ایسا حصار ہے جس کو آسانی سے کوئی پار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا.

دوسرے موقع پر یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مجرموں کے لئے، جو یہ سزا

www.abulhasanalinadwi.org

پائیں، ہمارے دل میں نرمی اور رحم کا کوئی جذبہ نہ پیدا ہونا چاہئے، اس لئے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے تجویز کردہ طریقہ کار کا ہے۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا، نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [المائدة:۳۸]

''چور اور چورنی دونوں کے ہاتھ قطع کردو، بدلہ اس کا جو انھوں نے کیا، اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

سورۂ نور میں قرآن کی سزاؤں کے سلسلہ میں آتا ہے۔

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [النور:۲]

''تمہارے اندر ان دونوں کے لئے نرمی اور رحم کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہو اگر تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے۔''

www.abulhasanalinadwi.org